طلوع اسلام

جلد نمبر ۸ — شمارہ ۳۷ | کراچی: ہفتہ - ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ — سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

اس جنتی معاشرہ میں جواھرات سے مرصع پلنگ ہونگے - دھرے مضبوط بنے ہوئے - سرر موضونہ" (۵۶/۱۵) - شیشے کے آبخورے - بلوریں آفتابے - مزین پیالے - باکواب واباریق و کاس من معین (۵۶/۱۸) حسب پسند میوے - فاکھہ" مما یتخیرون (۵۶/۲۰) پرندوں کا گوشت جو بڑا ھی مرغوب خاطر ھو - ولحم طیر مما یشتھون (۵۶/۲۱) کیلوں کے گچھے تہ بہ تہ - طلح منضود - بافراط پھل - فاکھہ" کثیرۃ - جھرنوں سے گرتا ہوا پانی - ماء مسکوب (۵۶/۳۰) دبیز اور باریک ریشم کے خوشنما لباس - ثیاب سندس خضر واستبرق (۷۶/۲۱) - غرضکہ آرائش، آسائش، اور زیبائش کے تمام سامان اس میں میسر ھونگے - افراد کا فریضہ یہ ھوگا کہ وہ اپنی فطری اور اکتسابی صلاحیتوں کے ما حصل کو نظام خداوندی کے سپرد کردیں اور یہ معاشرہ اس کے بدلے میں یہ تمام چیزیں ان کے لئے مہیا کریگا -

قرآنی حقائق کا بیان

(محترم پرویز صاحب)

اتوار صبح ۹ بجے

فاولرز لائن - نیپئر بیرکس - کراچی

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔
4. حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن عجمی سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر دی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کو پرکھنے کا معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے)۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اسلامی پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفاتِ خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ چودہ اکتوبر ★ ھائے طاؤس ★ مصر کا فیصلہ ★ تاریخی شواھد ★ اسلام کی سرگزشت
★ مجلس اقبال ★ عورت کا قرآن ★ متعہ بھی جائز قرار دیا گیا ★ الفاروق
★ باب المراسلات ★ عالم اسلامی

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ھوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں ۔ قیمت دو روپے ۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا ۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاھوں کا زاویہ بدل دیا ھے ۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی ۔

بڑا سائز ۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط ۔ گرد پوش حسین ۔
قیمت چھ روپے ۔ علاوہ محصولڈاک ۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ھوتے ھوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا ۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ھوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رھے ھیں ۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا ۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ھیں ۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم ۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات ۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک ۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے ۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے ۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رھنے سہنے کا ڈھنگ ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں ۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفت روزہ

طلوعِ اسلام

جلد ۸	ہفتہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء	نمبر ۳۷

۱۴ اکتوبر

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بوئے گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

یوں تو ہر دن اللہ ہی کا ہوتا ہے لیکن بعض دنوں میں اس قسم کے عظیم الشان انقلاب واقع ہوتے ہیں کہ قرآن انہیں "ایام اللہ" کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح قوموں کی زندگی میں بعض دن ایسے آتے ہیں جن میں ان کا کاروانِ حیات ایک نیا موڑ مڑتا ہے اور اس سے ان کی قسمت کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے دن قوموں کی زندگی میں یادگار بن جاتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں درخشندہ حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ مسلمانانِ ہند و پاکستان کی حیاتِ ملی میں گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں کئی دن ایسے آئے ہیں جن کی یاد کو تاریخ اپنی آغوش میں محفوظ رکھے گی۔ ان میں سب سے پہلا یادگار دن ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کا تھا جب الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں، حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنا وہ خطبۂ صدارت ارزانی فرمایا جس نے فی الحقیقت اس قوم کے مستقبل کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ اُس سے پہلے مسلمانانِ ہند ایک راہ گم کردہ قافلے کی طرح پریشان و سرگرداں، ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کے پاؤں اٹھتے تھے لیکن نہ سراغِ راہ ان کے سامنے تھا نہ نشانِ منزل۔ وہ ہر دور سے نظر آنے والے غبار کی طرف لپک کر بڑھتے تھے کہ شاید اس میں وہ "شہ سوارِ اشہبِ دوراں" ہو جو انہیں صحیح و سلامت منزلِ مقصود تک لے جائے لیکن اس کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ جاتے تھے کہ وہ غبار، بگولے کے رقص سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس تشتت و انتشار اور یاس و حزن کے عالم میں اُس حکیم الامت نے جسے قرآنی بصیرت نے دیدۂ انجم عطا فرمایا تھا، ان پراگندہ افراد کارواں کو پکارا اور نہایت حکمت و تدبر اور شفقت و محبت سے انہیں بتایا کہ ان کی منزلِ مقصود کیا ہے اور اس تک پہنچنے کا صحیح راستہ کونسا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین سے کہا کہ

> آپ نے مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ اسے پورا پورا یقین ہے کہ اسلام میں وہ قوت موجود ہے جو انسان کو اس کی تنگ نظری سے نجات دلا سکتی ہے جسے جغرافیائی حدود نے پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ایمان یہ ہے کہ ایک فرد یا مملکت کی زندگی میں مذہب کی قوت بیحد اہمیت رکھتی ہے۔ اور جو اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتا ہے کہ اسلام اپنی تقدیر آپ ہے۔ اس لئے دنیا کا کوئی حادثہ اسے تباہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے جو تم نے سمجھ رکھا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت وطن کی حدود سے متشکل ہوتی ہے۔ ان کی قومیت کا مدار اسلام پر ہے۔

> جس نے جذبات اور وفا شعاریوں کے وہ بنیادی اصول عطا کئے ہیں جو رفتہ رفتہ پراگندہ افراد اور منتشر گروہوں میں یک جہتی اور یک رنگی پیدا کر کے انہیں آخرالامر ایک متعین قوم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

قومیت کی ان نئی بنیادوں کی وضاحت کے بعد، وہ مسلمانانِ ہند کے مستقبل کو سامنے لائے اور کہا کہ

> میں چاہتا ہوں کہ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک مملکت بنا لیا جائے

انہوں نے اپنی اس آواز کے اظہار تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایمان و ایقان کی ایک ایسی آواز کے ساتھ جو دل کی گہرائیوں سے ابھرا کرتی ہے، پورے حتم و یقین سے فرمایا کہ

> حکومت برطانیہ کے دائرہ کے اندر ہو یا آزادانہ طور پر۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک مستحکم اور متحدہ مملکت کا قیام ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

یہ تھا نشانِ منزل (یعنی ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک متحدہ مملکت کا قیام) اور وہ تھا سراغِ راہ (یعنی وطنی، نسلی، لسانی، نسبتوں سے بلند ہو کر محض اسلام کی بنیادوں پر مسلم قومیت کی تشکیل) جو ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اس پراگندہ فکر اور افسردہ خاطر قوم کے سامنے رکھا گیا۔ یہ دن، فی الحقیقت مسلمانانِ ہندوستان کی زندگی میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہنے والا دن تھا۔

چونکہ ہر انقلابی آواز کی طرح یہ آواز بھی اپنے زمانے سے بہت آگے تھی اس لئے کسی نے اسے سنجیدگی سے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن زمانے کے تقاضے قوم کو کشاں کشاں اسی طرف لئے جا رہے تھے۔ انہی تقاضوں نے ان میں قائدِ اعظمؒ جیسی شخصیت کو ابھار دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے قومیت کے اس جدید "تصور" کے ماتحت، مسلمانانِ ہند کو ایک جداگانہ ملت، کی حیثیت سے منظم کیا اور اس کے بعد ان میں اس منزل کے شعور کو بیدار کیا جس کا نشان اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں دیا تھا۔ چنانچہ چند ہی سال کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو، اسی حکیم الامتؒ کے مرقد کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے اس عزم کا اعلان کیا کہ ہم ہندوستان میں اپنی جداگانہ مملکت کو قائم کر کے رہیں گے۔ یہ دن بھی اس قوم کی کتاب زندگی میں ستاروں کی روشنائی میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس عزم کے بعد، اس منزل تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدوجہد جاری رہی تا آنکہ انہیں نہ صرف شمال مغربی علاقہ کے ساتھ ہی شمال مشرقی ہند میں بھی ایسا خطۂ زمین مل گیا جس میں یہ اپنے تصورات کے مطابق اپنی آزاد مملکت قائم کر سکتے تھے۔ یہ انقلاب عظیم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو واقع ہوا۔ یہ دن ان کی حیاتِ ملی میں ہزاروں مسرتوں اور لاکھوں شادمانیوں کا پیامبر تھا اور پلاشبہ اس تشکیک، قرطاسِ ارض پر سورج کی کرنوں سے مرصع کاری اور زرنگاری کا مستحق۔ اس طرح سترہ سال کے قلیل عرصہ میں (جو قوموں کی زندگی میں پلک جھپکنے سے زیادہ کا عرصہ نہیں کہلا سکتا) ایک "شاعر کا خواب"، خوابِ یوسفؑ کی طرح حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ گیا۔

لیکن جہاں ایک طرف، اس قوم کی قسمت کے ستارے

یوں ایک ایک کرکے بیدار ہوتے جا رہے تھے، تاریکی کا ایک گوشہ بھی اس کے ساتھ چلا آ رہا تھا کہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا لیکن قبل اس کے کہ یہ حقیقتِ منتظر لباسِ مجاز میں سامنے آ جائے، وہ ہم سے رخصت ہو گیا۔ پھر جناح نے وہ خطۂ ارض حاصل کر لیا جس میں اس جدید مملکت کو متشکل ہونا تھا لیکن قبل اس کے کہ اس کی بنیادیں اس نقشے کے مطابق استوار ہوں، وہ بھی ہمیں الوداع کہہ گیا۔ اب قوم کے برسرِ اقتدار طبقہ کی حالت ان رئیس زادوں کی سی ہو گئی جنہیں بیٹھے بٹھائے ایک ریاست ورثہ میں مل جائے، اور عوام کی حالت ان یتیموں کی سی جن کا کوئی والی وارث ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں، اوپر کے طبقے نے اس مفت میں ملی ہوئی ریاست کا جو کچھ حشر کیا اور نیچے کے طبقے کے ساتھ جو کچھ بیتی اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (9/82) انہوں نے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کیا ہے، انہیں چاہیئے کہ اسے دیکھ کر روئیں بہت زیادہ اور ہنسیں بہت کم۔

لیکن جب پانی حد سے گزرنے لگا تو بعض درد مند دلوں میں اس کا احساس پیدا ہوا کہ اس بگڑے ہوئے نقشے کو کس طرح سنبھالنا چاہیئے۔ چنانچہ جب انہوں نے عللِ مرض پر غور کیا تو انہیں صاف نظر آ گیا کہ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شمال مغربی خطۂ پاکستان کو بدستور صوبوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ حالانکہ اقبال کا تصور یہ تھا (اور یہ تصور اسلام کی بنیادی تعلیم، وحدتِ ملت کے عین مطابق تھا) کہ

پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ کو ملا کر ایک واحد مملکت بنا لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے جد و جہد شروع کی۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس کی ہر طرف سے تعریف و تائید ہونی چاہیئے تھی لیکن ہم نے صوبہ پرستی کے ناسور کو آٹھ برس تک جو بلا مرہم پٹی کے کھلا رکھ چھوڑا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے پورے کے پورے جسدِ ملت کو زہر آلود کر دیا۔ اس لئے وحدتِ ملت کے اس اقدام کی بھی مخالفت ہوئی اور سخت مخالفت ہوئی۔ سخت ہی نہیں بلکہ شرمناک حد تک پست۔ ہم اس مخالفت کو دیکھ رہے تھے اور بادیدۂ نم اور آہِ سرد بھر رہے تھے کہ یا اللہ! کیا یہ وہی قوم ہے جس کا ایمان یہ ہے کہ ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دینے سے افریقہ کا حبشی، ایران کا شاہزادہ، چین کا فغفور اور عرب کا بادیہ نشین سب ایک ملتِ واحدہ کے افراد بن جاتے ہیں، بایں لحاظ کہ اگر افریقہ کے حبشی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو ایران کا شہنشاہ اپنی حریر و اطلس کی خوابگاہ میں ایک ثانیہ کے لئے سو نہ سکے! بارے غنیمت ہوا کہ مخالفتوں کے یہ بادل چھٹ گئے اور مجلسِ آئین ساز نے اس مسودۂ قانون کو اپنی منظوری دے دی۔ اس کے بعد اسے گورنر جنرل کی تصویب بھی حاصل ہو گئی اور یہ شنیدۂ جاں فزا بھی وجہِ سکونِ قلب ہو گئی کہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو شمال مغربی خطۂ پاکستان ایک "وحدت" بن جائے گا۔ چنانچہ جب یہ سطور قارئین کی نگاہوں کے سامنے ہوں گی تو اس خطہ سے صوبوں کا وجود مٹ چکا ہوگا۔ اور کراچی سے پشاور بلکہ اس سے بھی آگے تک ایک وحدت قائم ہو چکی ہوگی۔ در خورِ ہزار مبارکباد ہیں وہ جنہوں نے اس وحدت کی عملی تشکیل کے لئے کوششیں کیں۔ آنے والی نسلیں انہیں اپنا محسن مانیں گی اور نیک دعاؤں کے ساتھ ان کا نام لیں گی۔

یہ دن بھی ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ کی حیاتِ قومی میں آبِ حیات سے لکھنے کے قابل ہے۔

لیکن

(اور یہ لیکن بہت اہم ہے کہ) جس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک خطۂ زمین مل جانے سے اس پاکستان کی تشکیل نہیں ہو گئی تھی جس کا تصور، قرآنی خطوط کے مطابق، اقبال نے دیا تھا۔ اسی طرح ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بعض صوبوں کی تنسیخ سے وہ وحدت وجود میں نہیں آ جائے گی جو وحدتِ ملت کی حقیقی بنیاد ہے۔ ۱۴ اگست کو ہمیں صرف اس امر کی امکانی قوت حاصل ہوئی تھی کہ اگر ہم چاہیں تو اس خطۂ ارض میں اپنے تصورات کے مطابق اپنا معاشرہ قائم کر سکیں۔ اسی طرح، ۱۴ اکتوبر کو ہمیں صرف یہ سہولت میسر ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اس خطہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو ایک ملتِ واحدۂ اسلامیہ بنا سکیں تاکہ وہ اپنی زندگی کو صحیح اسلامی قالب میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ اقبال نے تخلیقِ پاکستان کی اہمیت یہ بتائی تھی کہ

ہندوستان میں، بحیثیت ایک ثقافتی قوت کے، اسلام کی زندگی کا دارومدار اس پر ہے کہ اسے ایک خاص خطہ میں مرکوز کر دیا جائے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ "یہ خطۂ زمین بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت کا ذریعہ بن جائے گا خواہ وہ حملے توپ و تفنگ کے ہوں اور خواہ نظریات و تصورات کے۔" اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ

اس سے اسلام کو اس کا موقع مل سکے گا کہ وہ اپنے آپ کو ان اثرات سے پاک و صاف کرے جنہوں نے اسے عربی ملوکیت کے زمانے میں ملوث کر دیا تھا۔ یہ اپنی تعلیم، اپنی ثقافت اور اپنے قوانین کو ایک طرف حقیقی اسلام سے اور دوسری طرف دورِ حاضرہ کے تقاضوں سے قریب تر کر سکے گا۔

یہ تھے وہ فوائد جو اسلام کو اس صورت میں حاصل ہونے تھے جب شمال مغربی خطہ ایک واحد مملکت بن جاتا۔ اب جبکہ ہم نے شمال مغربی خطہ کو ایک وحدت بنا لیا ہے، ہمارے پیشِ نظر ان مقاصد کا حصول ہونا چاہیئے۔ یعنی ہم اس خطۂ زمین میں ایسا معاشرہ قائم کریں جو حقیقی اسلام (یعنی قرآن) کے اصولوں پر متشکل ہو اور ان اصولوں کی روشنی میں ہم ایسے جزئی قوانین مرتب کریں جو دورِ حاضر کے تقاضوں کو کما حقہٗ پورا کر سکیں۔ اسی سے اسلام ان غیر اسلامی عناصر سے منزہ ہو سکے گا جو ہمارے دورِ ملوکیت کی یادگار ہیں اور جنہیں ہم غلط فہمی سے ہزار برس سے "حقیقی اسلام" سمجھ کر سینے سے لگائے پھر رہے ہیں۔ اور اسی سے ہمارا دین ایک زندہ قوت بن کر دنیا میں ہماری حفاظت اور صیانت کا ذمہ دار بن جائے گا۔ اس لئے کہ (اقبال کے الفاظ میں) تاریخ کے نازک ادوار میں، اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔"

اقبال نے اپنے مذکورۂ بالا خطبہ میں یہ بھی بتایا تھا کہ ہمارے زوال کی دو علتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم میں صحیح ٹائپ کے لیڈر نہیں۔

لیڈر سے میری مراد ایسے افراد ہیں جو اپنی خداداد بصیرت یا تجربہ کی بنا پر اسلام کی روح اور اس کی غایت سے پوری طرح واقف ہوں اور دوسری طرف عصرِ حاضر کے تقاضوں کا بھی صحیح صحیح احساس رکھتے ہوں۔ اس قسم کے افراد درحقیقت قوم کے لئے "خدائی قوت" کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے بنے بنائے ملتے ہیں۔ آرڈر دے کر بنوائے نہیں جا سکتے۔

دوسری علت انہوں نے یہ بتائی تھی کہ ہماری قوم میں "ملی شعور" کی کمی ہوتی جا رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ذاتی مفاد کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ملت کے تعمیری کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں اس وقت کوئی لیڈر بھی ان خصوصیات کا حامل نہیں جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ جو لوگ فضا میں خلا کی وجہ سے مذہبی پیشوائیت کی مسندوں پر متمکن ہو گئے ہیں اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں انہیں نہ اس کا علم ہے کہ اسلام کی روح اور غایت کیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا شعور کہ عصرِ حاضر کے تقاضے کیا۔ لیکن اس کمی کو اس طرح پورا کیا جا سکتا ہے کہ ہم باہمی مشاورت سے اپنے تمام معاملات میں قرآن سے راہ نمائی حاصل کریں اور اس کی روشنی میں عصرِ حاضر کے پیش کردہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں ہم کسی جگہ غلطی بھی کر جائیں۔ لیکن غلطیوں سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ مزید تجربہ غلطیوں کی اصلاح خود بخود کر دیا کرتا ہے۔ باقی رہی قوم میں ملی شعور کی بیداری، سو اس کی واحد صورت وہی ہے جسے قرآن نے بطور اصل الاصول پیش کیا ہے۔ یعنی انفرادی مفاد کو کم از کم کر کے ملی مفاد کو زیادہ سے زیادہ کر دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر، رزق کے سرچشموں کو انفرادی ملکیت سے نکال کر ملت کی اجتماعی

تحویل میں دیدیا جائے تاکہ وہ انہیں تمام افراد ملت کی نشو ونما کے کاموں میں صرف کرسکے۔ قرآن نے اقوام کی تخلیق اور نشأۃ ثانیہ کا ایک اہم اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ پوری کی پوری قوم ایک فرد واحد کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (۳۱/۲۸) اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس جدید وحدت (مغربی پاکستان) میں رزق کے سرچشموں میں افراد کا الگ الگ مفاد نہ ہو بلکہ پوری ملت کا مفاد مشترکہ ہو۔ اور اس کے بعد کسی کے دل میں قطعاً یہ خیال نہ پیدا ہو کہ وہ سندھی ہے یا پنجابی۔ بلوچی ہے یا سرحدی۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی امتیازات رنگ و بو کے بیئت ہمارے دلوں میں قائم رہے تو سمجھئے کہ ہمارے دلوں میں ایمان نے گھر نہیں کیا۔ ہم بدستور شرک کے مشرک ہیں۔

ہم مغربی پاکستان کی وحدت کے ارباب حل وعقد سے باادب گزارش کریں گے کہ فطرت کی طرف سے ہمیں ایک بار پھر موقع ملا ہے کہ ہم دکھا سکیں کہ ہم اس کے اس عطیۂ کبریٰ کے اہل ہیں جو اس نے ہمیں اس طرح عطا فرمایا ہے۔ اگر آپ نے یہ سمجھ لیا کہ ہمیں یہ خطۂ زمین اس لئے عطا ہوا ہے کہ ہم نے اس میں صحیح قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے اور اس کے لئے پوری پوری کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ اجتماعی طور پر ملت اسلامیہ پاکستانیہ، اقوام عالم کی امامت کی سزاوار قرار پاجائے گی۔ بلکہ انفرادی طور پر آپ حضرات کا نام تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور آنے والی نسلیں آپ کو اپنے محسن کی حیثیت سے یاد کریں گی۔ لیکن اگر آپ نے خدائی ضابطہ سے راہ نمائی حاصل کی اور نہ ہی ملت کے اجتماعی مفاد کا کچھ خیال کیا تو ملت کی تباہی کے ساتھ آپ کے حصہ میں بھی ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں آسکے گا۔

کیا ہم توقع کریں کہ آپ وہی راستہ اختیار کریں گے جس میں اسلام کی سربلندی۔ ملت کی سرفرازی اور آپ کی نیک نامی کا راز مضمر ہے؟ پوری کی پوری ملت آپ کی طرف آنکھیں لگائے دیکھ رہی ہے کہ آپ کونسا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (۷۶/۳)

پائے طاؤس

کہتے ہیں کہ مور اپنے پروں کی قوس قزحی رنگینیوں میں جذب ہو کر بڑے والہانہ انداز سے ناچتا ہے اور اس وجدانی کیفیت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد جب اس کی نظر اپنے پاؤں پر پڑتی ہے تو اس کی ساری خوشی رنج میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے پھیلے ہوئے پر سمٹ جاتے ہیں۔ جذبۂ وجدان کی ساری کیفیت گم ہو جاتی ہے اور اس کا حسرت زدہ دل خون بن کر اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے

مندرجہ بالا مقالہ افتتاحیہ لکھنے کے بعد ہماری کیفیت بھی اسی حسرت زدہ مور کی سی ہو گئی جب ہم نے یہ خبر پڑھی

کہ کراچی کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے یہ شہر رہے گا تو مغربی پاکستان کی وحدت میں لیکن اس کا نظم ونسق مرکز کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہم حیران ہیں کہ اس فیصلہ کے متعلق کیا لکھیں۔ ہمیں سب سے زیادہ افسوس اس احساس سے ہے کہ جب دنیا کے مدبر ہماری مجلس آئین ساز کے اس فیصلے کو دیکھیں گے تو وہ اس مجلس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ اس قسم کی دوعملی عہد باریئہ میں ہوتی ہو تو ہو عصر حاضر کے آئینی دور میں اس کی مثال مشکل سے کہیں ملیگی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دوعملی چلے گی کیسے؟ کراچی کے اراکین مغربی پاکستان کی مجلس قانون ساز میں اس شہر کی نمائندگی کریں گے۔ لیکن جو قوانین وہاں مرتب ہوں گے ان کا اطلاق کراچی پر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کا نظم ونسق اس مجلس کی حدود سے باہر ہوگا۔ ہماری سمجھ میں تو ان الفاظ کے معنی بھی نہیں آتے کہ "کراچی کا شہر مغربی پاکستان میں رہیگا اور اس کا نظم ونسق مرکز کے ہاتھ میں رہے گا" اگر نظم ونسق مرکز کے ہاتھ میں ہوگا تو کراچی کا شہر کس مقصد کے لئے مغربی پاکستان میں رہے گا؟ یہ نظم ونسق ہی تو ہے جس کے لئے کوئی علاقہ کسی خاص حکومت کی تحویل میں رہتا ہے۔ اگر اس کا نظم ونسق کسی دوسرے کی تحویل میں ہو تو محض نقشہ پر یہ لکھ دینا کہ یہ علاقہ فلاں حکومت کے رقبہ میں شامل ہے مضحکہ انگیز نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ دوعملی درحقیقت اس دودلی کی غماز ہے جس کا مظاہرہ ہمارے ارباب حل وعقد کی طرف سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔

پچھلے دنوں جب مغربی پاکستان کے بل کا مسودہ مجلس آئین ساز میں زیر بحث تھا تو حزب مخالف کی طرف سے جس طرز عمل کا مظاہرہ ہو رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کے دل میں صوبائی عصبیت کن گہرائیوں تک جا چکی ہے بعض اوقات تو غم وغصہ میں ان کی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے جذبات نفرت اور تعصب کو الفاظ کے پردوں میں بھی چھپا سکنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور ان کے سینوں میں ابلنے والے جذبات غیظ وغضب اچھل اور بکھر کر فضا میں پھیل جاتے تھے۔ کراچی کے مسئلہ کو بھی انہوں نے اپنی مخالفت کا موضوع بنا لیا تھا۔ اگرچہ ہمیں ماوراء درون پردہ کا علم نہیں لیکن کسوٹ بیناسے جو کچھ نظر آتا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کراچی کے مسئلہ میں غالباً یونائیٹڈ فرنٹ کے اراکین بھی عوامی لیگ والوں کے ہمنوا ہو گئے اور اس طرح انہوں نے حکومت کو ایک ایسے فیصلے پر مجبور کر دیا جو کسی صورت میں بھی نہ مستحسن قرار پا سکتا ہے اور نہ ہی قابل عمل۔

حزب مخالف کے ضمن میں ایک بنیادی حقیقت کا تذکرہ ضمناً ناگزیر ہو گیا ہے۔ حزب مخالف مغرب کے انداز جمہوریت کی تخلیق ہے جس میں برسر اقتدار پارٹی ایک گروہ کی حیثیت اختیار کرتی ہے اور محرومین کی ٹولی ان کی فریق مخالف بن جاتی ہے۔ ہمیں مغربی انداز جمہوریت اور اس کے نقصانات سے بحث نہیں لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی رو سے ملت اسلامیہ کے اندر حزب مخالف کا وجود یکسر غیر اسلامی تصور ہے۔ قرآن کی رو سے حزب دو ہی ہیں۔ ایک حزب اللہ اور دوسرا حزب الشیطان۔ ایک اسلام کا حامی اور دوسرا اس کا کھلا ہوا دشمن۔ اور ان دونوں میں ابد سے ازل تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری ہے۔ خود حزب اللہ کے اندر ایک حزب مخالف کا وجود اسلام سے کھلی ہوئی سرکشی کے مترادف ہے۔ ملت اسلامیہ پوری کی پوری ایک ہی حزب ہے۔ اس ملت کے نمائندے ایک ہی حزب کی حیثیت سے اکٹھے بیٹھ کر باہمی مشاورت سے قوانین خداوندی کی روشنی میں ملت کے معاملات کا حل سوچتے ہیں۔ باہمی مشاورت میں اختلاف آراء بھی ہو سکتا ہے لیکن ان نمائندوں کی مجلس میں مستقلاً ایک حزب مخالف کا وجود اس کے سوا اور کیا ہے کہ خود مسلمانوں کی مجلس میں کفر اور اسلام ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے ہیں "مکہ کی زندگی" میں ایک حزب مخالف تھی لیکن اس حزب مخالف کے لیڈر ابوجہل اور ابولہب تھے۔ اب ہماری مجلس مشاورت ہے کہ اس میں ایک طرف عبداللہ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عبدالرحمن اور دونوں خوش ہوتے ہیں کہ ہم اسلامی جمہوریت کے علمبردار ہیں۔

بہرحال حزب مخالفت کے متعلق تو ہم نے ضمناً یہ کچھ عرض کر دیا ہے۔ ورنہ یہ موضوع ایسا ہے جس پر تفصیل سے لکھا جانا چاہیئے۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ کراچی کے متعلق جو فیصلہ ہوا ہے وہ بڑا افسوسناک اور ناقابل فہم ہے۔ ہم ایک بار پھر ذمہ دار حضرات سے گزارش کریں گے کہ وہ اس غلطی کی فوراً اصلاح کریں ورنہ آگے چل کر یہ فیصلہ ایسی مشکلات کا موجب بن جائے گا جن پر قابو پانا ان کے بس کی بات نہ ہوگی۔

مصر کا فیصلہ

کچھ عرصہ سے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ روس نے کسی عربی ملک کو اسلحہ مہیا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ اب یہ خبر معلوم ہو گیا ہے کہ یہ پیشکش مصر کو کی گئی ہے۔ اور اس نے اس کو منظور بھی کر لیا ہے۔ مصر کا یہ فیصلہ مسلمانان عالم کی سیاست کے لئے دور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس کے مضمرات کو سمجھنے کے لئے ذرا اس کے پس منظر کو دیکھنے کی ضرورت ہے جس نے مصر کو اس فیصلے پر مجبور کیا۔ فلسطین میں یہودی سلطنت کا قیام عالم عرب کے لئے بلکہ پورے عالم اسلامی کے لئے بڑا گہرا خطرہ ہے۔ مصر براہ راست اس کی زد میں ہے یہ سلطنت امریکہ کی کوشش اور برطانیہ کی تائید سے معرض وجود میں آئی۔ بڑی اقوام نے یہودیوں کو ایسی شہ ملی کہ انہوں نے اقوام متحدہ کے صریح فیصلوں کے علی الرغم بیت سے عربی علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی جارحیت

ایک خطرہ جاریہ ہے۔ سرحدوں پر عموماً جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ جو بعض اوقات باقاعدہ جنگوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر عربوں کے لئے بالعموم اور مصر کے لئے بالخصوص ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ پوری جنگی تیاری کریں۔ اقوام مغرب نے اب تک یہودیوں کی تو خوب پیٹھ ٹھونکی۔ لیکن عربوں کو اسلحہ مہیا کرنے میں خصوصی بخل سے کام لیا۔ مصر ایک عرصے سے امریکہ سے ضروری اسلحہ خریدنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن امریکہ کی شرائط ایسی تھیں کہ وہ سودا نہ کر سکا۔ اور بالآخر اس نے روس سے سودا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مصر کا فیصلہ اس اعتبار سے قابل فہم ہے کہ وہ اقوام مغرب سے مایوس ہو کر روس سے اسلحہ خریدنے پر تیار ہوا ہے جس نوعیت کا خطرہ مصر کو درپیش ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے وہ عسکری طور پر ایک دن بھی کمزور نہیں رہ سکتا۔ یہ کمزوری اقوام مغرب سے اسلحہ خرید کر پوری کی جا سکتی تھی۔ مگر وہ اس پر رضامند نہیں ہوئیں۔ لہٰذا اس کی ذمہ داری براہ راست ان پر عائد ہوتی ہے۔ اب جب مصر نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ تو امریکہ اور برطانیہ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ اور وہ مضطربانہ تگ و دو کر رہے ہیں کہ مصر اس اقدام سے باز آ جائے۔ وہ اسے اس سے باز رہنے کے لئے لالچ بھی دے رہے ہیں اور دھمکی بھی۔ لالچ تجارتی معاہدے کا ہے اور دھمکی معاشی امداد روکنے کی۔ یہ حربے اپنی جگہ قابل فہم ہیں لیکن یہ مصر کو اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے روک نہیں سکتے۔ اس کو ضرورت اسلحہ کی ہے اور یہ ضرورت نہ اس لالچ سے پوری ہو سکتی ہے نہ دھمکی سے۔ گویا امریکہ اور برطانیہ نے پہلے تو مصر کو مجبور کیا کہ وہ ان سے مایوس ہو کر روس کا رخ کرے۔ اور اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ مصر کو پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ہو تو نہ دیکھے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امریکہ نے یہ محسوس ہی نہیں کیا یا وہ یہ محسوس نہیں کرنا چاہتا کہ یہودی خطرہ دنیائے اسلام کے لئے کس قدر حقیقی ہے۔ اور وہ اسے کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے

کہ مصر روس تک جانے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ امریکہ کی یہ نافہمی یا کج فہمی خود امریکہ کے لئے افسوسناک ہے کیونکہ اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ رفتہ رفتہ اس کے خلاف فضا پیدا ہو جائیگی اور جو مسلمان ممالک آج اس سے امید بھی رکھتے ہیں۔ وہ کل اس سے منہ موڑ لیں گے۔ لہٰذا اگر امریکہ کو مسلمانوں کی دوستی کی ضرورت ہے ـــ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان کی دوستی کے بغیر روس کا حریف نہیں ہو سکتا ـــ تو اسے مسلمانوں کے مزاج کو سمجھنا ہوگا اور اپنی دو رخی حکمت عملی سے باز آنا ہوگا۔

امریکہ پر اس صورت حال کی ذمہ داری ڈالنے کا مطلب یہ نہیں کہ مصر اس سے بالکل بری الذمہ ہو جاتا ہے اور اس کے زیر فیصلہ کی مضرت کم ہو جاتی ہے۔ اس فیصلے کے خطرات اپنی جگہ رہتے ہیں اور یہ ایسا سوال ہے جسے مصر کو ہی نہیں تمام عالم اسلامی کو ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں موجودہ عالمی کشمکش میں بڑی سے بڑی قوم بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔ خود امریکہ اور روس چھوٹی قوموں کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ممالک کے تنہا رہنے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ لیکن مسلمانوں کا معاملہ دیگر اقوام سے مختلف ہے۔ پاکستان سے لے کر ترکی اور شمالی افریقہ تک مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان میں ایسے قلبی روابط ہیں جو اور قوموں کے مابین نہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ لہٰذا اگر وہ متحد ہو جائیں تو ایسا بلاک بنا سکتے ہیں۔ جو عالمی سیاست میں متوازن کردار کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ یہ علاقہ ایسا ہے جسے امریکہ اور روس دونوں اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ اب چونکہ مسلمان ممالک متفرق اور پسماندہ ہیں۔ اس لئے یہ دو ممالک عملی حیلوں بہانوں سے انھیں ساتھ ملا لیتے ہیں۔ ایسے سودے میں اتفاق سے کسی مسلمان ملک کا فائدہ ہو سکتا ہے ورنہ بالعموم خسارہ ہی ہوگا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ فائدہ اٹھا نہیں سکتے۔ وہ متحد ہو جائیں تو اس اتحاد کی وجہ سے ان میں ایسی قوت آ جائیگی کہ امریکہ یا روس جس سے وہ چاہیں حسب خواہ سودا کر سکیں گے۔ وہ الگ الگ رہ کر ایسا سودا نہیں کر سکتے ایسا سودا روس سے اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روس سے سودا کرنے کے ہر ملک اشتراکیت کا شکار بھی لازماً ہو جائے گا روس نے مصر کو جو پیشکش کی ہے۔ وہ اسلحہ تک محدود نہیں رہ سکتی۔ وہ اس بہانے مشرق وسطیٰ میں راستہ پیدا کرے گا اور پھر اس راستے سے اسلحہ کم آئیں گے اور آئیڈیالوجی زیادہ۔ ہم یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصر نے اپنے فیصلہ کے اس پہلو کو نہیں سوچا۔ کیونکہ اس کی زد دیگر ممالک اسلامیہ پر بھی پڑتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ مل کر بیٹھیں اور سب سے پہلے اپنا ایک مشترک ادارہ قائم کریں۔ اور پھر اس کی وساطت سے امریکہ یا روس سے معاملہ استوار کریں اگر ایسا نہ کیا گیا۔ اور فیصلہ انفرادی طور پر ہر ملک کے ہاتھ میں رہا تو دوستی خواہ امریکہ سے کی جائے خواہ روس سے اس کا فائدہ کم ہوگا۔ اور نقصان زیادہ۔

برطانیہ اس باب میں امریکہ سے بھی ایک قدم آگے ہے لیکن (جیسا کہ اس کا ہمیشہ سے قاعدہ چلا آ رہا ہے) وہ یہ کچھ منافقانہ انداز سے کر رہا ہے۔ پچھلے دنوں مصر نے یہ اعلان کیا کہ اس کے پاس دستاویزی ثبوت ہے کہ اسرائیل کو برطانیہ کی طرف سے ٹینک بہم پہنچائے گئے تھے۔ پہلے تو حسب معمول برطانیہ نے لیت و لعل سے کام لیا۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے تو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اسرائیل کو ٹینک دیئے تھے۔ لیکن یہ اعتراف بھی عجیب انداز سے کیا گیا ہے۔ یعنی کہا یہ گیا ہے کہ ہم نے کچھ ایسے ٹینک جو ہماری جنگی ضروریات کے قابل نہیں رہے تھے فرانس کی ایک فرم کے ہاتھوں بیچے تھے۔ تاکہ وہ انھیں توڑ پھوڑ کر ان کا لوہا کسی اور کاموں میں کام لے۔ اس فرم نے یہ ٹینک اسرائیل کے ہاتھوں فروخت کئے ہیں۔ اس کے بعد برطانیہ نے اس قسم کے کچھ ٹینک براہ راست اسرائیل کے ہاتھوں فروخت کئے۔ تاکہ ان کے پرزے کسی دوسری جگہ استعمال کئے جا سکیں۔

آپ غور کیجئے کہ یہ وہ قومیں ہیں جو مسلمانوں سے دوستی کی دعویدار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز ہو یا امریکہ۔ روس ہو یا جرمنی۔ مسلمان کا کوئی بھی دوست نہیں۔ سب اپنے اپنے مطلب کے دوست ہیں۔ چونکہ دوسری طرف مسلمانوں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ ان اقوام سے مدد لئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ان کے لئے فلاح کی راہ ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) یہ آپس میں اتحاد کریں اور پھر اقوام مغرب سے متحدہ طور پر معاملہ کریں۔ ورنہ انفرادی طور پر مدد ہی مدد میں یہ سب کو ہڑپ کر جائیں گی۔ پاکستان کے لئے بھی یہ مقام سوچنے کا ہے۔

۲۹ر اکتوبر کا

طلوع اسلام

بتقریب عید میلاد النبی

شائع ہوگا

مطبوعات طلوع اسلام کی

شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ـــــــ ۲۵ فی صدی

دیگر مطبوعات ـــــــ ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔

۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔

۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔

۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۲ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۳)

اس کے بعد حضرت ابراہیم دعوت الی اللہ کے باب میں ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ (۲۹/۱۹–۲۱)

کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ خدا (پہلی بار اپنی) مخلوق کو (عدم محض سے) کس طرح وجود میں لاتا ہے؟ پھر انہیں مختلف مراحل سے بار بار گزارتا ہے۔ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے (اپنی مخلوق) کو کس طرح پیدا کیا ہے۔ پھر (خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ) کس طرح حیات نو عطا کر دیتا ہے۔ درحقیقت خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو شخص چاہتا ہے وہ اسے اپنے قانونِ مکافات کے مطابق عذاب (دنیوی و اُخروی) میں مبتلا کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے سامانِ ربوبیت عطا کر دیتا ہے اور (یاد رکھو) تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

مبدأ و معاد، ابتدا اور انتہا۔ موت اور حیات، سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جو ذاتِ اقدس ان قوتوں کی مالک ہو اس کے سوا کون حافظ و ناصر ہو سکتا ہے؟

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (۲۹/۲۲)

اور یاد رکھو تم نہ تو اپنی تمدنی دنیا میں اسے شکست دے سکتے ہو اور نہ ہی کائنات میں۔ اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

اس وقت تو فقط اتنا ہے کہ اسلاف سے جذبۂ عقیدت اور سوسائٹی میں ایک دوسرے سے تعلقات کی بنا پر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایک دوسرے کی روش پر آنکھیں بند کر کے چلے جا رہے ہو جب حقائق بے نقاب ہوں گے تو تم خود دیکھ لو گے کہ ایسی کھلی ہوئی گمراہی کی روش کی ذمہ داری کون اپنے سر لیتا ہے۔ اور وقت پڑنے پر اس قسم کے تعلقات کیسے قائم رہ سکتے ہیں۔ جن انسانوں کی خودی، خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھک جھک کر اس درجہ کمزور ہو چکی ہو ان کا حال ظاہر ہے

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (۲۹/۲۵)

اور ابراہیم نے کہا۔ "تم نے خدا کو چھوڑ کر جن (لوگوں کی) مورتیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ وہ محض اس لئے ہے کہ اس سے تم میں ایک جامعیت کی صورت پیدا ہو گئی ہے (اس اشتراک سے تم ایک قوم بن گئے ہو) جس سے تمہیں کچھ دنیاوی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں۔ مگر جب انقلاب خداوندی آئے گا تو تم دیکھو گے کہ تم میں سے کس طرح ایک، دوسرے کے تعلقات سے انکار کرتا ہے اور سب تعلقات چھوڑ کر دور ہٹ جاتا ہے۔ لیکن اس وقت تم سب جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہو گے اور تمہارا کوئی حامی و ناصر نہ ہو گا۔

سورۂ الصّٰفّٰت میں حضرت نوحؑ کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَاۗءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۷/۸۳–۸۷)

اور دیکھو، درحقیقت نوحؑ ہی کے گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا۔ (یاد کرو) جب وہ قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے حضور متوجہ ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ اور اپنی تمام قوم سے کہا کہ تم کن لوگوں کی عبودیت (اطاعت و فرماں پذیری) اختیار کر رہے ہو؟ (سوچو تو سہی) کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں (کی اطاعت) کا ارادہ رکھتے ہو؟ پھر تمام جہان کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

غور فرمائیے، یہاں بھی اور ۲۹/۱۷ میں بھی اصنام پرستی کو "افک" کہا گیا ہے۔ کتنی عظیم الشان حقیقت کو ایک لفظ میں ادا کیا گیا ہے! یہ عقیدہ کہ اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بُت خدا یا خدا کے مظہر ہیں۔ ایک خود ساختہ جھوٹ کے سوا اور کیا ہے؟ اور اگر ایسی بے کس و بے بس، عاجز و ناتواں، محتاج و ضعیف ہستیاں اس قابل ہیں کہ انہیں خدا بنا لیا جائے تو کہئے کہ وہ ذاتِ مطلق جو نہ صرف اپنے آپ کے لئے کسی کی محتاج نہیں۔ بلکہ تمام کائنات اپنی پرورش کے لئے اُس کی محتاج ہے، اُسے کیا کہا جائے گا؟ خداشناسی کے متعلق تمہارا قیاس کس قدر غلط ہے! تم نے سمجھا ہی نہیں کہ خدا کسے کہتے ہیں اور اس کی قوتیں کیا ہیں؟ اگر اس کے متعلق صحیح اندازہ تمہارے ذہن میں آجاتا تو تم کبھی اپنے شرفِ انسانیت کو اس طرح ذلیل و خوار نہ کرتے!

٭

اگر قوم کچھ بھی عقل و بصیرت سے کام لیتی تو جس حقیقت کشا انداز سے ان کی گمراہی اور غلط نگہی ان پر واضح کی گئی تھی۔ وہ اپنے مسلک سے یقیناً ہٹ جاتی۔ لیکن جن آنکھوں پر اسلاف پرستی کے اس قدر دبیز پردے پڑ چکے ہوں، ان کی سمجھ میں یہ باتیں کیسے آسکتی ہیں حضرت ابراہیم نے یہ دیکھ کر کہ قوم ایسے اسلوب تذکیر و موعظت سے اثر قبول کرنے پر آمادہ نہیں، ایک اور انداز اختیار فرمایا اور محسوسات کے خوگر انسانوں کی غلط بینیوں کا پردہ خود محسوسات کی وادیوں میں چاک کر دیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کی قوم ستارہ پرست بھی تھی۔ انہیں بتانا یہ تھا کہ ستارے اپنی ہستی کی بقا کے لئے خود ایک الگ نظام کے پابند اور اپنی حرکات و سکنات میں یکسر مجبور ہیں۔ اس حقیقتِ مجرّدہ (ABSTRACT Truth) (ABSTRACT TRUTH) کی تبیین کے لئے نظری دلائل کے بجائے محسوس و مشہود (CONCRETE) طریق استدلال کی طرف رجوع کیا گیا۔ سورۂ انعام کے چھٹے رکوع کو دیکھئے اور غور فرمائیے کہ قرآن کریم نے کس قدر دل نشین انداز سے اس حقیقت کا مرقع دیدۂ بینا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ابتدا یوں ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶/۷۴)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا۔ کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

یہاں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر علم و بصیرت کے دروازے کھول کر انہیں کس طرح اصنام پرستی کی جہالت کی اصل سے آگاہ کر رکھا تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (۶/۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو قانونِ کائنات کی عظیم الشان قوتوں کا مشاہدہ کرا دیا۔

یعنی جس طرح وحی الٰہی نے علم و بصیرت کی روشنی میں ان پر دیوی دیوتاؤں کی تماثیل اور اجرامِ سماوی کے مجسموں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا، اسی طرح انہوں نے قلبِ سلیم اور عقلِ صحیحہ کی روشنی میں نظامِ کائنات پر غور و خوض سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا کہ کائنات کی تمام اشیاء مع اجرامِ فلکی، خدا کے قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں اور خود کسی قوت اور اختیار کی مالک نہیں ہیں، اس علم و یقین کے بعد وہ قوم کے پاس گئے۔

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ اور اس کے مظاہر سے بحث کرنے کے بعد۔۔۔ گذشتہ اشاعتوں میں اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنے بتائے گئے تھے۔ اس کے بعد اسلام کی موٹی موٹی اور بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی تھی جو ہنوز جاری ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ خدا وہ ہے جس نے خود تم میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کر دیئے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین سے پودوں کی طرح اگایا اور بڑھایا ہے۔

اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ غیب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ خشکی اور تری میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کو جانتا ہے۔ کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو۔ ایسے ہی زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ (مٹی کے نیچے دبا ہوا) پڑا ہوتا ہے اسے اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر خشک و تر ایک واضح کتاب (قانون) میں موجود ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ یقیناً خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یقیناً اللہ ان دلوں تک کا بھید جانتا ہے جو سینوں کے اندر چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ یقیناً تیرا نشو و نما دینے والا بڑی قوتوں کا مالک اور بڑی عزت والا ہے۔

اور وہ یکتا و یگانہ اللہ ہے۔ یہاں خیر کے لئے الگ الٰہ اور شر کے لئے الگ الٰہ نہیں ہے۔ نہ یہاں حسن و جمال کا کوئی دیوتا ہے اور نہ ہواؤں کی کوئی دیوی ہے۔ یہاں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو الوہیت میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لہذا اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ موجود نہیں ہے۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ سوائے یگانہ و یکتا اللہ کے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خدا کا یہ ارشاد ہے کہ دو دو الٰہ نہ گردان بیٹھنا۔ واقعہ یہ ہے کہ الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا۔ اللہ ہی کی عبودیت و اطاعت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

کسی مخلوق اور کسی جماعت کو لوگوں کے عقائد کے بارہ میں اور ربوبیت کی صفات میں سے کسی صفت میں لوگوں پر کوئی غلبہ و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کو خدا کے بجائے اپنے ربوبیت دینے والے قرار دے لیا ہے۔ حتیٰ کہ خود رسول کو بھی یہ غلبہ و اقتدار حاصل نہیں ہے وہ بھی محض ایک مبلغ ہوتا ہے۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ اے پیغمبر تم خدا کے قوانین و احکام کو لوگوں کے سامنے پیش کر دو۔ تم محض پیش کر دینے والے ہو ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ یگانگت و یکتائیت کے مکمل ترین معنوں بسیط ترین صورت میں یگانہ و یکتا ہے۔ اسلام نہ کسی قسم کے تعدد کو برداشت کرتا ہے اور نہ ہی کسی ایسے رمز و اشارہ کو قبول کرتا ہے جس سے تعدد کا ذرا سا شائبہ بھی نکل سکے۔

اس نے اپنی مخلوق میں سے چند افراد کو منتخب کیا جن کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہوتا ہے جو وحی کا تعلق کہلاتا ہے۔ ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام وغیرہ انہی حضرات میں سے ہیں۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ۔ اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف اس طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد دیگر انبیاء پر بھیجی تھی اور ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، اولادِ یعقوب (میں سے ہونے والے انبیاء)، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان پر وحی بھیجی تھی۔ اس وحی سے مقصود نبی کا لوگوں کو ان امور کی تعلیم دینا ہوتا ہے جو خدا براہ راست اسے سکھاتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو بھلائی کی طرف رہنمائی کر سکے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ ہم نے تمام رسولوں کو ان کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تھا تاکہ وہ وحی کو واضح صورت سے ان پر پیش کر سکیں۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ ہم نے ان رسولوں کو بھیجا جو نیک عملی کی زندگی کے خوشگوار نتائج کی بشارت دینے والے اور بدعملی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے تاکہ ان رسولوں کے بعد انسانوں کے لئے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔ اس وحی کا طریقہ کچھ ایسا نہیں تھا جس میں خدا کو کوئی جسم اختیار کرنا پڑتا ہو۔ بلکہ یہ ایک خاص روحانی طریقہ پر ہوتی تھی جس کی پوری کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ۔ خدا کسی آدمی سے بات نہیں کرتا البتہ وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے وہ بات کرتا ہے یا اپنا کوئی رسول بھیج دیتا ہے جو اس کے حکم سے خدا کی مشیت کے مطابق خدا کی وحی کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ اے پیغمبر اس طریقہ پر ہم نے تمہاری طرف بھی اپنے حکم سے وحی بھیجی۔ تم تو اس سے پہلے یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں لیکن ہم نے اپنی وحی کو ایک نور بنا کر تمہاری طرف بھیج دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیا کرتے ہیں۔

تمام آسمانی مذاہب کے اصول ایک ہیں اور سب کے سب خدا کی توحید اور شرک سے مخالفت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ لیکن بعد میں ان کی بعض تعلیمات میں تغیر و تبدل آ گیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی بھیجے ہیں وہ سب کے سب مرد ہی تھے جن پر ہم نے یہ وحی بھیجی تھی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے لہذا صرف میری ہی اطاعت کرو۔ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ اے پیغمبر تم پر بھی یہی وحی بھیجی اور تم سے پہلے رسولوں پر بھی کہ اگر تم نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو تمہارے تمام اعمال اکارت چلے جائیں گے۔

اس موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے۔ اس زندگی کے دن کو يَوْمُ الْقِيٰمَةِ۔ اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ۔ يَوْمُ الْحِسَابِ اور يَوْمُ الدِّيْنِ کہتے ہیں۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ تم پھر اس زندگی کے بعد یقیناً مرنے والے ہو اور اس کے بعد تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ یہی دن عمل صالح پر جزا اور عمل سیئہ پر سزا کا دن ہوگا۔ اس زندگی میں جو عمل انسان کرتا ہے وہ اس کے نامۂ اعمال میں درج کیا جاتا ہے جو قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ ہر انسان کی گردن کے ساتھ ہم نے اس کا نامۂ اعمال لٹکا دیا ہے جسے ہم قیامت کے دن اس کے لئے نکالیں گے۔ وہ اسے ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں پائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو۔ آج یہی کافی ہے کہ تم خود اپنا حساب لے لو۔

اسلامی نظام
قیمت دو روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب سوم (مسلسل)

از نگاہِ عشق خارا شق بود
عشق حق آخر سراپا حق بود

عشق سے انسان کی قوتیں اس قدر بیدار اور بے باک ہو جاتی ہیں کہ اس کی قوتِ بازو تو ایک طرف اس کی نگاہ سے پتھروں کا جگر شق ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حق کا عشق آخرالامر خود انسان کو حق بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر اقبال نے پھر اس امتیاز کو اجاگر کر دیا ہے جو مقصد اور مقصد میں ہوتا ہے۔ اگر مقصد باطل ہے تو اس کے حصول کی آرزو اور اس آرزو کی شدت (جسے عشق کہا گیا ہے) بھی باطل ہے۔ لیکن اگر مقصد حق ہے تو اس مقصد کا عشق بھی حق ہے اور اس سے وہ انسان جس کے دل میں اس قسم کا عشق ہو سرتاپا حق بن جاتا ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ اس بنا پر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشم نوحے قلب ایوبے طلب

اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں بلکہ پائندہ ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تو عشق سیکھ۔ لیکن یہ ناممکن ہے جب تک تیرے سامنے کوئی محبوب نہ ہو۔ جب تک زندگی میں تیرے پیشِ نظر کوئی متعینہ مقصد نہ ہو اس وقت تک عشق کی حرارت تیرے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی یعنی عشق آموزی کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان اپنے سامنے زندگی کا ایک ایسا مقصد رکھے جو برحق ہو اس کے لئے حضرت نوحؑ کی نگاہ اور حضرت ایوبؑ کے قلب کی ضرورت ہے۔

حضرت نوحؑ کی آنکھ سے مقصد یہ ہے کہ اس سے حق اور باطل کی تمیز پیدا ہوتی ہے اور حضرت ایوب کا قلب اس لئے ضروری ہے کہ عشق کے مراحل بڑے صبر آزما اور ہمت طلب ہوتے ہیں۔ اس راہ میں بڑے بڑے سخت مقام آتے ہیں جہاں استقامت اور استقلال کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

مندرجہ صدر اشعار میں حضرت علامہ نے یہ بتایا ہے کہ خودی عشق اور محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔ عشق اور محبت سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے سامنے زندگی کا جو نصب العین رکھے اس کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرتا رہے اور اس مقصد کے لئے اگر اسے جان تک بھی دینا پڑے تو اس میں قطعاً دریغ نہ کرے۔ اس کے بعد وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس شخصیت کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھے جس نے اس قسم کے عشق اور محبت میں تکمیل حاصل کی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت ذاتِ رسالت مآب سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے؟ حضورؐ کے سامنے وحی کی رو سے متعین کردہ زندگی کا ایک درخشندہ نصب العین تھا اور آپ کی پوری حیاتِ طیبہ اس نصب العین کے حصول کی مسلسل داستان ہے۔ کہنا تو اقبال یہی چاہتا تھا، لیکن اس سے پہلے وہ پیرِ روم کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمع خود را ہمچو رومی برفروز
روم را در آتشِ تبریز سوز

یعنی تو کسی مردِ کامل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو اور اس طرح اپنی مشتِ غبار کو کیمیا بنا لے۔ جس طرح رومی اپنے مرشد شمس تبریز کے عشق میں فنا ہو گیا اور اس سے خود رومی کی ذات میں درخشندگی پیدا ہو گئی۔ تو بھی اس مسلک کی اتباع کر۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اقبالؒ کے ہاں اس قسم کے مقامات وہ خطرناک گھاٹیاں ہیں جن میں بالعموم لغزش کا ڈر ہے۔ اس قسم کے اشارے ہیں جن سے پیری مریدی کا جواز نکلتا ہے اور جن کی بنیادوں پر تصوف کی ساری عمارت استوار ہو جاتی ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ اس قسم کے اشارات سے اجتناب کرتے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ خود ذاتِ رسالت مآب سے محبت کے بھی یہی معنی ہیں کہ جس طرح حضورؐ نے احکامِ خداوندی کی کامل اطاعت سے اپنے آپ کو عبدیت کے مقام میں ممتاز کر دیا تھا اسی طرح ہم بھی حضورؐ کے اس مسلک کو بطور اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھ کر اطاعتِ خداوندی سے اپنی ذات کی تکمیل حاصل کریں۔ اس کے سوا نہ عشقِ رسول کا کوئی اور مفہوم ہے اور نہ محبتِ خداوندی کا۔ چنانچہ اس باب میں حضرت علامہ کہتے ہیں کہ ....

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمت

یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ محبوب کونسا ہے جس سے عشق میں یہ مقصد بلند حاصل ہوتا ہے۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ محبوب کہیں باہر تلاش کرنے سے نہیں ملے گا۔ یہ تو تیرے دل کے اندر پنہاں ہے۔ اگر تجھے چشمِ بصیرت عطا ہوئی ہے تو آ میں بتاتا ہوں کہ یہ محبوب کونسا ہے محبوب کا نام لینے سے پہلے اس کی تعریف میں کہتے ہیں کہ

عاشقانِ او ز خوباں خوب تر
خوشتر و زیباتر و محبوب تر

وہ محبوب ایسا ہے جس کے عاشق دنیا کے بڑے بڑے حسینوں سے حسین تر ہیں۔ ہر صفت میں ان سے بلند۔ ہر خوبی اور زیبائی میں اُن سے آگے۔

دل ز عشقِ او توانا می شود
خاک ہمدوشِ ثریا می شود

وہ محبوب ایسا ہے کہ اس کے عشق میں انسان مجنوں کی طرح کمزور اور ناتوان نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے قلبِ انسانی میں توانائی پیدا ہوتی ہے اور اس کی خاک شرفِ انسانیت کی بلندیاں طے کرتی ہوئی ثریا تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ

خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد
آمد اندر وجد و بر افلاک شد

وہ ارضِ پاک جس میں آپ کا ظہور ہوا اپنے مرتبہ میں آسمانوں سے بھی بلند ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اس محبوب کا نام لیتے ہیں اور ہزار تعظیم و تکریم کے ساتھ کہتے ہیں۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

وہ ذاتِ گرامی حضور ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ (صلعم) ہیں جن کا مقام ہر مسلمان کے حریمِ قلب کے اندر ہے۔ اور اس ملتِ شریفہ کا ہر شرف و فضیلت اس نام کی نسبت سے ہے۔

اقبال کو حضور رسالت مآبؐ سے عشق ہے۔ بڑا دل گداز اور جان افروز عشق۔ چنانچہ جب کبھی حضورؐ کا اسمِ گرامی اس کے لب پر آ جاتا ہے، ہو نہیں سکتا کہ اس کے بعد حضورؐ کی مدح و ستائش میں کچھ اشعار بے ساختہ اس کی زبان پر نہ آ جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بے ساختہ اشعار اقبال کی شاعری میں وہ چمکتے ہوئے موتی ہیں جن کی مثال و نظیر دنیائے شعر و سخن میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس مقام پر بھی وہ والہانہ انداز میں کہتا ہے

طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

اس ذاتِ گرامیؐ کا مقام یہ ہے کہ وہ طورِ سینا جو انوارِ خداوندی کی جلوہ گاہ قرار پایا تھا، وہ حضورؐ کے صحنِ خانہ کے گرد و غبار کی ایک موج تھا۔

اقبال اور قرآن (از پرویز) قیمت دو روپے

عورت کا قرآن

(۲۹)

اس تمام تفصیل سے غالباً اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا کہ آیت زیر بحث میں یہ حکم عام حالت کے لئے ہرگز نہیں ہے بلکہ خاص حالت کے لئے ہے۔ یعنی جبکہ کسی خاص سبب سے مثلاً جنگ، بیماری وغیرہ کے سبب مرد ضائع ہوگئے ہوں اور بے سہارا، بے باپ اور بے شوہر عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ سوسائٹی، جماعت یا حکومت ان بے سہارا عورتوں کے ساتھ قرار واقعی سلوک نہیں کرسکے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسے مواقع پر یوں کرو کہ ہر صاحب استطاعت ان میں سے جو پسند ہوں اُن کے ساتھ دو دو، تین تین، چار چار، نکاح کرے تاکہ سوسائٹی کا بوجھ بھی کم ہوجائے اور ان عورتوں کا سہارا بھی ہوجائے۔ یہ حکم تحت ضرورت ایمرجنسی حالات کے لئے ہے، اس کو عام قرار دینا قرآن کے منشا کے ایکدم خلاف ہے۔ پھر اس کے لئے یہ بھی شرط لگادی کہ ان میں عدل کرنا اور ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک طرف ڈھل جاؤ اور دوسری غریب ناپتی رہ جائیں بس۔

تعدد ازدواج کے جواز میں مولوی صاحبان کی طرف سے اس قسم کے دلائل بہت زور شور سے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ عموماً ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں کہ ایک مرد کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایام حیض میں مرد اپنی عورت کے پاس نہیں جاسکتا۔ ایسے ہی ایام حمل میں طبی طور پر مرد کو اپنی بیوی سے علیحدہ رہنا چاہیئے ایسے ہی ایام رضاعت میں بھی۔ ایام حمل اور ایام رضاعت، دونوں مل کر اتنا طویل عرصہ ہوجاتا ہے کہ مرد کے لئے بغیر عورت کے گزارہ کرنا دشوار ہوجاتا ہے مگر ان افکار بارده کی کوئی حقیقت نہیں ہے جبکہ آج بھی ہندوستان و پاکستان کی ننانوے فی صدی آبادی ایک ہی بیوی پر اکتفا کر رہی ہے اور ان کے سروں پر ان پابندیوں کی وجہ سے نہ کوئی آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور نہ زمین شق ہوئی ہے۔

ہندوستان و پاکستان کی مجموعی چالیس کروڑ کی آبادی میں بمشکل ایک فی صدی لوگ ایسے نکلیں گے جو ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں تو جس طرح ننانوے فی صدی آبادی گزارہ کر رہی ہے یہ ایک فی صدی لوگ کیوں گزارہ نہیں کرسکتے۔ ان اعذار کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ بقول قاضی عبدالغفار صاحب

"مرد" کی یہ منطق کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ "مرد" جو کچھ کرے اس کی بداعمالی اس قدر قابل گرفت نہیں جس قدر "عورت" کی خلاقی لغزشیں ہیں؟ کیوں یہ خود غرض جب تو اپنے اور "عورت" کے اخلاق کے مختلف معیار قائم کرتا ہے! اپنی صفائی یوں پیش کی جاتی ہے کہ خود "مذہب نے "مرد" کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور "عورت" کو بیک وقت صرف ایک شوہر کی۔ تمہارے مولوی مُلا جو کہیں، مجھے کبھی اعتبار نہ آسکے گا کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو اس طرح جائز رکھا ہے جس طرح اس وقت عمل کیا جارہا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ یہ تعدد ازدواج شریعت کے پردے میں عیاشی اور نفس پرستی کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "مرد" کے نفسانی قویٰ متعدد عورتوں کے طالب ہیں۔ ایک "عورت" جب ماں ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو عرصہ تک "مرد" کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کرسکتی۔ میں ایک عورت ہوں اور تم سے صاف صاف کہتی ہوں کہ "ایک عورت" قطعی طور پر "ایک مرد" کے لئے کافی سے زیادہ ہے فطرت کی کوئی خلاف ورزی اس سے بدتر نہیں کہ "عورت" اور "مرد" اپنی نفس پرستی میں مسلسل منہمک رہیں۔ یہ نفس کی قوت نہیں بلکہ دماغ کی بیماری ہے "مرد" صرف اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت ایک "عورت" چاہتا ہے۔ ورنہ صحیح اور فطری احساس نفسانی تو اس کا ہرگز متقاضی نہیں کہ یہ شغل مسلسل جاری رہے"!

(سولہواں خط)

بہرحال! "عورت" کسی ظالم و جابر "مرد" کے قبضہ و اقتدار میں ہمیشہ ہمیشہ رہ کر بھی بڑی سے بڑی مصیبت سہہ سکتی ہے۔ "عورت" اپنے شریک حیات سے علیحدہ اور جدا ہو کر بھی ہجر و فراق کا تلخ ترین دائمی صدمہ بھی کسی نہ کسی طرح برداشت کرکے زندہ رہ سکتی ہے لیکن "عورت" یہ کبھی اور کسی طرح بھی مطلقاً گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کے دوش بدوش اس کی محبت کا کوئی دوسرا شریک موجود ہو۔ اور کوئی دوسری عورت، اس کے شوہر کے گھر میں آکر اس کی تمناؤں کا خون کرے یا اس کے قصر محبت کو پاش پاش کردے۔ خدائے بزرگ و برتر نے جو اپنی ایک مخصوص خوبی "عورت" کو بخشی ہے وہ یہی "عدم شرکت" کا جذبہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کے سارے گناہ بخش سکتا ہے مگر نہیں بخشے گا تو صرف اس گناہ کو کہ کوئی انسان کسی اور کو "خدا کا شریک" ٹھہرا لے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (۴ / ۴۸)

اللہ یہ بات کبھی بھی بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ ہاں اس کے سوا جتنے اور گناہ ہیں وہ چاہے گا تو بخش دے گا۔ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے یقیناً وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے"!

بالکل اسی طرح "عورت" سب کچھ برداشت کرسکتی ہے مگر نہیں گوارا کرسکتی تو یہ کہ اس کی محبت میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ "قرآن مجید" میں "عورت" کے اس مخصوص جذبے اور اس منفرد نفسیاتی کیفیت کا بطور خاص اور قرار واقعی لحاظ رکھا ہے۔ "عورت" کی اس نسوانی تمکنت اور طبعی خصوصیت کا سب سے زیادہ خیال کیا ہے اور شاید اسی نکتہ کے پیش نظر شرک کے نہ بخشنے کی خبر والی آیت سورۂ نساء (عورت) ہی میں آئی ہے۔ اب ایسی صورت میں عورتوں کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے افعال و اقوال کے ذریعے مرد کا دل موہ لیں اور شوہر کا دل اس طرح قابو میں رکھیں، اس کی مرضی، دل جوئی، خیالات، جذبات، ضروریات کا، اس ہوش گوش اور مستعدی و تندہی سے لحاظ کریں کہ "مرد" کے دل میں دوسری بیوی کرنے کا خیال ہی نہ آئے اور "مرد" کا دل اپنی جانب مائل کرلینے کے بعد کبھی بھی "عورت" کو اس سے دوچار نہ ہونا پڑے گا مگر اس کے لئے شعور و سلیقہ کی ضرورت ہے۔ سخن پروری وہٹ دھرمی کی نہیں۔ شوہر کی محبت، عورت کو بخشش نہیں ہوتی بلکہ بیوی حاصل کرتی ہے۔ یہ چیز دھمکی اور دباؤ سے کسی کو نہیں مل سکتی، بلکہ ہمیشہ سلیقہ، جمیل اور حسن سیرت سے حاصل ہوئی ہے، ہوتی رہی ہے اور برابر ہوتی رہے گی۔ چنانچہ جہاں اب ہے وہاں گھر کی رونق ہی کچھ اور ہے۔

نظامِ رُبوبیت

از پرویز

اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال یعنی معاشی مسئلہ کا حل کیا ہے، انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رہی ہے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کردیا ہے ذاتی ملکیت کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ قسم اوّل کی قیمت: چھ روپے قسم دوم چار روپے

(علاوہ محصول ڈاک)

متعہ بھی جائز قرار پاگیا!

جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پاکستان میں جس قسم کا اسلام رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی بعض خصوصیات اس سے پہلے قارئین کے سامنے آچکی ہیں۔ مثلاً اس اسلام کی رو سے زمینداروں کی زمینداریاں۔ جاگیرداروں کی جاگیرداریاں۔ کارخانہ داروں کے کارخانے۔ سرمایہ داروں کی دولت کے انبار سب محفوظ رہیں گے۔ اور نہ دولت پر اور نہ جائداد پر کسی قسم کی حدبندی عاید کی جائے گی۔ نیز اس اسلام کی رو سے جنگ کی قیدی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر حرم میں داخل کیا جائے گا۔ ان کی تعداد پر بھی کوئی حدبندی نہیں ہوگی۔ اور انہیں استعمال کے بعد بیچنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ اب اس کے بعد مترفین کے اس طبقے کے لئے ان کی شدت ہوس رانی کی تسکین کا ایک اور راستہ بھی کھول دیا گیا ہے۔ یعنی متعہ کو بھی جائز قرار دیدیا گیا ہے۔ مودودی صاحب کی قرآن کی تفسیر (جسے قرآن کی تفسیر کہتے ہوئے دل لرزتا ہے) ان کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اس کی اگست کی اشاعت میں سورۂ مومنون کی آیت (۲-۷) کی تفسیر میں حسب ذیل نوٹ شائع ہوا ہے۔

"بعض لوگوں نے متعہ کی حرمت بھی اس آیت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ ممتوعہ عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے۔ اور نہ لونڈی کے حکم میں لونڈی تو وہ ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور بیوی اس لئے نہیں ہے کہ زوجیت کے لئے جتنے قانونی احکام ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ نہ مرد کی وارث ہوتی ہے۔ نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے۔ نہ اس کے لئے عدت ہے نہ طلاق۔ نہ نفقہ نہ ایلاء اور ظہار اور لعان وغیرہ۔ بلکہ چار بیویوں کی مقررہ حد سے بھی وہ مستثنیٰ ہے۔ پس جب وہ "بیوی" اور "لونڈی" دونوں کی تعریف میں نہیں آتی۔ تو لامحالہ وہ ان کے علاوہ "کچھ اور" میں شمار ہوگی۔ جس کے طالب کو قرآن "حد سے گذرنے والا" قرار دیتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت تحریم متعہ کے بارے میں صریح بھی نہیں ہے اور اس سے تحریم پر استدلال ان ثابت شدہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے زمانہ میں اس کو حرام قرار دیا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت ہی میں آچکا تھا۔ جو ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ تو کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فتح مکہ تک جائز رکھتے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ متعہ کی حرمت قرآن کے کسی صریح حکم پر نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مبنی ہے سنت میں اسکی صراحت نہ ہوتی تو محض اس آیت کی بنا پر تحریم کا فیصلہ کر دینا مشکل تھا۔ متعہ کا جب ذکر آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں کی اور توضیح کر دی جائے اول یہ کہ اس کی حرمت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمرؓ نے حرام کیا۔ درست نہیں ہے حضرت عمرؓ اس حکم کے موجد نہیں تھے۔ بلکہ صرف اسے شائع اور نافذ کرنے والے تھے۔ چونکہ یہ حکم حضورؐ نے آخر زمانہ میں دیا تھا۔ اور عام لوگوں تک نہ پہنچا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی عام اشاعت کی اور بذریعہ قانون اسے نافذ کیا۔ دوم یہ کہ متعہ کو مطلقاً حرام قرار دینے یا مطلقاً مباح ٹھہرانے میں، سنیوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس میں بحث و مناظرے نے بیجا شدت پیدا کر دی ہے۔ ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان کو بسا اوقات ایسے حالات سے سابقہ پیش آجاتا ہے۔ جن میں نکاح ممکن نہیں ہوتا۔ اور وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں زنا کی نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد و عورت کسی تختے پر بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں۔ اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں یا آبادی ان تک نہ پہنچ جائے۔ کم و بیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ متعہ بس اسی طرح کی اضطراری حالتوں کے لئے ہے۔ صحابہ میں سے ابن عباس۔ ابن مسعود، جابر بن عبداللہ، معاویہ۔ عمرو بن حریث وغیرہم اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر اور مشاہیر فقہاء مکہ نے اگر اس کو جائز رکھا ہے تو اضطرار ہی کے لئے رکھا ہے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے ذکر کیا کہ عام لوگوں میں متعہ کی حلت کا قول آپ کی طرف منسوب ہو رہا ہے۔ اور اس پر بڑی باتیں بن رہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا سبحان اللہ، واللہ ما بھذا افتیت وما ھی الا کالمیتۃ لا تحل الا للمضطر۔ سبحان اللہ خدا کی قسم میں نے ایسا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ تو مردار کی طرح ہے کہ مضطر کے سوا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ جواز بحالت اضطرار اس ابدی حرمت کے خلاف نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مردار کا بحالت اضطرار کھا لینا اس ابدی حرمت کے خلاف نہیں جو قرآن سے ثابت ہے۔"

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا ہے کہ۔

(۱) متعہ کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) نبی اکرمؐ نے اسے حرام قرار دیا لیکن وہ بھی فتح مکہ کے زمانہ میں (یعنی ۸ھ میں)

(۳) اس حرمت کے باوجود اضطراری حالت میں متعہ کی اجازت بدستور باقی ہے۔ جیسے بھوک کے وقت اضطراری حالت میں مردار کھا لینا جائز ہے۔

یہ چیزیں اگر کسی عیسائی مناظر یا آریہ پنڈت کی طرف سے آتیں تو چنداں وجہ تعجب نہ ہوتیں۔ لیکن کس قدر مقام تاسف ہے کہ اسلام کے خلاف یہ کچھ ایک ایسے شخص کی طرف سے کہا جا رہا ہے۔ جو ایک اسلامی جماعت کا امیر اور قرآن کریم کا مفسر ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کی رکیک باتوں کا جواب لکھ کر اپنا وقت ضائع کریں۔ لیکن بدقسمتی سے اس ملک میں مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو مودودی صاحب کو عالم دین ہی نہیں بلکہ اسلام کا ایک بڑا مفکر مانتا ہے خدشہ یہ ہے کہ اگر ان امور کے متعلق کچھ نہ لکھا گیا۔ تو یہ طبقہ مودودی صاحب کی "تفسیر قرآن" کو سند مان کر متعہ کو جائز سمجھنے لگ جائے گا۔ اس خدشہ کے پیش نظر ہم بادل نخواستہ نہایت کرب انگیز موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے مجبور ہو رہے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ شیعہ حضرات کے ہاں متعہ حرام نہیں۔ ہمیں ان حضرات کے عقائد و مسلک سے بحث نہیں۔ اس لئے ان صفحات میں جو کچھ لکھا جائے گا۔ اس کا مخاطب وہ طبقہ ہے جو اہل سنت کے نام سے معروف ہے اور جس سے خود مودودی صاحب متعلق ہیں۔

قرآن کریم مرد اور عورت کے جنسی اختلاط اور عائلی زندگی کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ اس نے ان احکام کی تفصیل اور جزئیات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے (حالانکہ سیاست مدن جیسے اہم شعبہ کے متعلق اس نے اصولی قوانین پر اکتفا کیا ہے) قرآن نے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک نکاح جسے اس نے جائز صورت قرار دیا ہے۔ اور دوسری زنا، جسے اس نے فعل ناجائز اور بدترین جرم ٹھہرایا ہے۔ نکاح کے متعلق اس نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہے جو بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اس کی رو سے وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ بہ حیثیت میاں بیوی زندگی گذاریں گے۔ ان میں باہمی مودت و رحمت اور سکون و اطمینان کے تعلقات رہیں گے۔ وہ اولاد پیدا کریں گے اور اس کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر پر لیں گے۔ ان میں میاں بیوی کے ترکہ سے، اور بیوی میاں کے ترکہ سے حصہ پائے گی۔ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان تعلقات کا برقرار رکھنا ممکن نہ رہے تو اس معاہدہ کا انفساخ میاں کی طرف سے طلاق اور بیوی کی طرف سے خلع کی شکل میں ہوگا۔ طلاق کس طرح دی جائے گی۔ اور اس کے بعد عورت کن حالات میں دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔ ان تمام امور کے متعلق بھی قرآن نے تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ اس شکل سے جو جنسی اختلاط ہوگا۔ قرآن نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جنسی اختلاط کی جو شکل ہوگی۔ قرآن نے اسے زنا قرار دیا ہے۔ خواہ وہ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو

متعہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مرد اور عورت آپس میں مباشرت کی بات چیت طے کر لیں اور یہ فیصلہ کریں کہ ایک وقت کی مجامعت یا اتنی مدت تک کے دوران میں مجامعت کے لئے عورت کو اتنا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس معاہدہ کو عارضی نکاح یا متعہ کہا جاتا ہے

جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ تو اس کے بعد ان میں کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ بادنیٰ تامل یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ جنسی اختلاط کے اس قسم کے معاہدے کو "نکاح" کہنا اسلامی نکاح سے مذاق کرنا ہے۔ اس میں اور زنا میں کوئی فرق ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے وہ متعہ جس کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں۔ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے! اگر قرآن سے اس قسم کے جنسی تعلق کی بھی حرمت ثابت نہیں تو پھر اس سے زنا کی بھی حرمت ثابت نہیں!

سوال یہ ہے کہ قرآن نے نکاح کی جو تفاصیل اور تضمنات بیان کی ہیں۔ ان کی رو سے متعہ کو نکاح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر اسے نکاح نہیں قرار دیا جا سکتا تو پھر یہ زنا نہیں تو کیا ہے؟ کیا قرآن نے کہیں بھی مستقل اور عارضی نکاح کا ذکر کیا ہے؟ قرآن کی رو سے نکاح کی ایک ہی قسم ہے اور وہ مستقل نکاح ہے۔ اس کے علاوہ نکاح کی کوئی اور شکل نہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا کہ قرآن سے متعہ کی حرمت ثابت نہیں اتنی بڑی جسارت ہے جس کے تصور سے دل لرز جاتا ہے۔ اسلام جو تلذذِ نگاہ تک کی عفت پر اس قدر زور دیتا ہے کہ وہ بیگانی عورت کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو دل میں گزرنے والے خیالات تک پر بھی محاسبہ کرتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے ایک اجنبی عورت سے کچھ پیسوں کے عوض مجامعت کر لینے کو حرام نہیں قرار دیا: اس کی اخلاقی عمارت کی بنیادوں تک کو منہدم کر دیتا ہے۔

اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خود رسول اللہؐ نے بھی متعہ کو فتح مکہ کے زمانے یعنی ۸ھ تک (بالفاظ دیگر اپنے زمانۂ نبوت کے اکیس سال تک) جائز رکھا اور اس کے بعد اس کو حرام قرار دیا۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا تصور کر سکتے ہیں کہ جب قرآن میں نکاح کے متعلق اس قدر واضح اور تفصیلی احکام آ چکے تھے۔ تو اس کے بعد رسول اللہؐ متعہ جیسے فعل شنیع کو کبھی جائز قرار دے سکتے تھے؟ مودودی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ "اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت ہی میں آ چکا تھا۔ جو ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلعم اسے فتح مکہ تک جائز رکھتے؟" یعنی مودودی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے متعہ کو ۸ھ تک جائز رکھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن نے اسے حرام قرار نہیں دیا تھا۔ حالانکہ استدلال کی صحیح شکل یہ ہے کہ چونکہ قرآن نے نکاح اور زنا میں فرق کر کے بتا دیا تھا۔ اور متعہ نکاح کے ضمن میں نہیں آتا۔ اس لئے اس کی حرمت خود بخود ہو گئی۔ اب جن روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے اسے ۸ھ تک جائز رکھا۔ وہ روایات غلط ہیں۔ لیکن ان حضرات کی حالت یہ ہے کہ یہ روایات کو یقینی تسلیم کرتے ہیں۔ اور قرآن کو ان کے تابع رکھتے ہیں۔ خواہ اس سے خدا اور رسول دونوں پر حرف کیوں نہ آ جائے۔ اگر اس قسم کی بات احادیث پرستوں میں سے کوئی ایسا شخص کہتا جس کا ایمان یہ ہو کہ احادیث کے مجموعوں میں جتنی روایات ہیں۔ ان سب کا بلا چون و چرا صحیح ماننا عین اسلام ہے۔ اور ان پر کسی چیز کی تنقید نہیں کی جا سکتی تو اس کا یہ کہنا قابل فہم تھا لیکن احادیث کے متعلق مودودی صاحب کا مسلک اس سے مختلف ہے۔ وہ اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ اور تو اور بخاری کی احادیث بھی تمام کی تمام اس قابل نہیں کہ انہیں صحیح مان لیا جائے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم احادیث کو درایت کی کسوٹی پر پرکھیں اور اس طرح جو حدیثیں ہمیں صحیح نظر آئیں صرف انہی کو صحیح تسلیم کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب نے متعہ کے متعلق احادیث کو خود درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اور اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ احادیث سب صحیح ہیں۔ اب جس شخص کی درایت اسے یہ تسلیم کرنے پر آمادہ کرتے کہ رسول اللہؐ نے متعہ جیسے فعل کو ۸ھ تک جائز رکھا تھا۔ اس کی درایت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ — بریں عقل و دانش بباید گریست۔

متعہ کے متعلق ان تمام روایات کو ہم نے طلوع اسلام میں ایک جامع مقالہ میں شائع کیا تھا۔ یہ مضمون اب "مقام حدیث" جلد دوم میں شامل ہو چکا ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس مضمون کو ضرور دیکھیں۔ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ عجم کی سازشوں نے ہمارے احادیث کے مجموعوں میں کیا کچھ شامل کر رکھا ہے۔

لیکن یہ ماننے کے بعد بھی کہ رسول اللہؐ نے متعہ کو ۸ھ میں حرام قرار دیا تھا۔ مودودی صاحب اس کے جواز کے لئے ایک کھڑکی کھلی رکھتے ہیں۔ جسے وہ "حالت اضطراری" کہتے ہیں۔ اس کی سند ان کے نزدیک نہ خدا کے احکام ہیں، نہ رسول اللہؐ کے فیصلے۔ بلکہ بعض صحابہؓ اور فقہائے مکہ کے وہ اقوال جو کتب روایات میں درج ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ان کے اقوال کا پایہ اتنا بلند ہے کہ ان کی رو سے اس دیوار میں بھی شگاف کی صورت جائز قرار پا سکتی ہے۔ جسے بقول ان کے خود رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھوں سے چُنا تھا۔ اضطراری حالت کی جو مثال مودودی صاحب نے دی ہے۔ اس پر سوائے اس کے کہ انسان سر پیٹ کر رہ جائے اور کیا کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایک جہاز سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اور ایک مرد اور ایک عورت کسی تختہ پر بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی نہیں۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں۔ اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں ان کے لئے اس کے سوائے چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہونچ جائیں۔ یا آبادی ان تک نہ پہونچ جائے۔" سب سے پہلے تو اس چیز پر غور فرما لیجئے کہ اگر یہ مومن مرد اور مومنہ عورت اس جزیرے میں اپنی عفت کی خاطر بہن بھائی کی طرح رہنا چاہیں تو ان کے اس طرح رہنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ وہاں پہونچ کر آپس میں یہ طے کریں کہ ہمیں میاں بیوی کی طرح رہنا چاہیئے۔ تو ان کے مستقل نکاح کرنے میں کونسا امر مانع ہے جس کی وجہ سے وہ عارضی نکاح کے لئے مجبور ہوں گے؟ اگر ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت باہمی رضامندی سے یہ طے کر لیں کہ وہ اپنی بقیہ زندگی خدا کے عاید کردہ حدود و قیود اور فرائض و حقوق کے مطابق مستقل نکاح کی شکل میں گذاریں گے اور اس طرح وہ آپس میں ایجاب و قبول کر لیں۔ تو اس کے بعد وہ کون سی شرط باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے نہ ہونے سے ان کا یہ نکاح مستقل نکاح نہیں ہو سکتا۔ صرف عارضی نکاح ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باقی دنیا کو اس کا علم نہیں ہو سکتا کہ ان کے باہمی تعلقات نکاحی میاں بیوی کے سے ہیں۔ یا ناجائز طریق کے۔ تو اس کی سیدھی شکل یہ ہے کہ جب وہ آبادی میں پہونچیں یا آبادی ان تک پہونچے۔ تو وہ اس کا اعلان کر دیں کہ ہم نے خدا کے احکام کے مطابق میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جیرت

صوبہ سرحد کی واحد موثر آواز

روزنامہ شہباز پشاور

اگر آپ صوبہ سرحد اور قبائل کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں
اور سیاسی حالات کے پس منظر سے آگاہی چاہتے ہیں تو "شہباز"
کا مطالعہ کریں۔

یہی وہ روزنامہ ہے

جس کے پاس سرحد میں ٹیلی پرنٹر سروس ہے۔ اے، پی۔ پی، رائٹر
ی۔ پی۔ اے، اور اپنے نامہ نگاروں کی خصوصی خبریں شائع کرتا ہے۔ اور باتصویر
ہفت روزہ ایڈیشن شائع کرتا ہے۔

کراچی میں شہباز

طاہر بک ڈپو

ٹرام جنکشن۔ صدر روڈ کراچی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

ہے کہ مودودی صاحب اس قسم کی شکل کے لئے ایک "عارضی نکاح" کی صورت وضع کرتے ہیں اور اس کے لئے جواز کی سند بھی پیش کر دیتے ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جواز بحالت اضطرار اس حرمت کے خلاف نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس طرح جیسے مردار کا بحالت اضطراری کھالینا اس حرمت کے خلاف نہیں جو قرآن سے ثابت ہے۔ پہلی چیز تو یہ سمجھئے کہ جس خدا نے مردار کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی خدا نے اضطراری حالت میں اس کے استعمال کی اجازت بھی خود ہی دے دی تھی۔ اگر مودودی صاحب کے بیان کے مطابق اسے مان لیا جائے کہ متعہ کو رسول اللہ ؐ نے حرام قرار دیا تھا۔ تو کیا رسول اللہ ؐ کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس حرمت کے بعد اضطراری صورت میں جواز کی شکل بھی خود ہی بیان فرما دیتے۔ تاکہ قانون اپنی مکمل شکل میں سامنے آتا۔ لیکن مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ متعہ کو خدا نے حرام قرار نہیں دیا۔ رسول ؐ نے حرام قرار دیا اور پھر اس کی اضطراری شکل صحابہ اور فقہاء نے کرکے پیدا کی۔ یعنی (معاذ اللہ) پہلی چوک خود اللہ میاں سے ہوئی تھی کہ اس نے متعہ جیسے فعلِ شنیع کو حرام قرار نہ دیا۔ اور پھر (خاکم بدہن) دوسری چوک رسول اللہ ؐ سے ہوئی کہ انھوں نے متعہ کو حرام تو قرار دیدیا۔ لیکن اضطراری حالت کے لئے کوئی گنجائش نہ رکھی۔ اس کمی کو فقہاء نے کرکے پورا کیا۔ یہ ہے آپ کا وہ دین جس کے متعلق آپ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ اس دین کی تکمیل خود خدا نے کی ہے اور اس کی مثال و نظیر ساری دنیا مل کر بھی پیدا نہیں کر سکتی۔

اب آیئے اس چیز کی طرف جسے مودودی صاحب اضطراری حالت قرار دیتے ہیں۔ بھوک کے معاملہ میں اضطراری حالت بالکل واضح ہے۔ اگر کسی شخص کو دو تین چار دن تک کچھ کھانے کو نہ ملے تو اس کے بعد اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر جان بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حرام چیز کو کھا لینے کی اجازت دی ہے۔ لیکن آپ سوچئے کہ کیا جنسی خواہش میں بھی اسی قسم کی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے؟ ہر سلیم العقل انسان اس حقیقت سے واقف ہے کہ جنسی تقاضا اس قسم کا تقاضا ہے ہی نہیں جس قسم کا تقاضا بھوک یا پیاس کا ہے۔ بھوک یا پیاس میں آپ کے ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ بھوک آپ کے ارادے کے بغیر لگتی ہے۔ اسے آپ اپنی قوت ارادی سے تھوڑے سے وقت کے لئے روک سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد طبعی قوانین کے ماتحت آپ کا جسم گھلنے لگتا ہے۔ اور اس طرح آپ پر بتدریج موت طاری ہونے لگ جاتی ہے۔ جنسی تقاضا کی صورت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ تقاضا (بھوک کی طرح) از خود نہیں ابھرتا اس کا جذبۂ محرکہ آپ کا خیال ہوتا ہے۔ اگر آپ جنسی اختلاط کا خیال ہی نہ کریں تو اس کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مرد و عورت مہینوں تک تنہائی میں رہیں اور وہ جنسی اختلاط کا خیال نہ کریں۔ تو ان کے اندر اس جذبہ کی تحریک ہی نہیں ہوگی۔ اگر کسی وجہ سے اس کا خیال آ بھی جائے اور وہ اس سے باز رہنا چاہیں تو اپنی قوتِ ارادی سے اس پر بڑی آسانی سے قابو پا سکتے ہیں۔ اس تقاضا کی تسکین نہ کی جائے تو انسان پر کبھی وہ حالت طاری نہیں ہو سکتی جو بھوک یا پیاس سے ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بھوک کی اضطراری حالت کے لئے تو "حرام خوری" کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن جنسی تقاضا کی عدم تسکین کی صورت میں "حرام کاری" کی اجازت نہیں دی۔ اس لئے اس کا علاج خیالات کی پاکیزگی قرار دیا ہے۔ قرآن نے بصراحت کہہ دیا ہے کہ جنسی تقاضے کی تسکین بیویوں کے علاوہ اور کسی سے جائز نہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ بیوی ہر وقت مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ ایسے مواقع بھی آ سکتے ہیں جب مرد کو کافی عرصہ کے لئے بیوی سے الگ رہنا پڑے۔ پھر ایسی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی مرد کا نکاح ہی نہ ہو سکے۔ ان حالات کے لئے قرآن نے "حرام کاری" کی اجازت نہیں دی بلکہ کہا یہ ہے کہ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا (۲۴/۳۳)۔ جو نکاح کا سامان نہیں پاتے انھیں چاہیے کہ ضبط نفس سے کام لیں۔ اسی کا نام عفت اور عصمت کا تحفظ ہے۔ قرآن تو اضطراری حالت کا علاج "عفت" بتاتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ علاج صحیح نہیں اس کا علاج متعہ ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنی اس تفسیر میں ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "یہی یہ بات کہ متعہ کو بالکل نکاح کی طرح معمول بنا لیا جائے اور نکاح ممکن ہونے کی صورت میں بھی اس فعل کا ارتکاب کیا جائے .... تو اس کی اباحت تو ذوقِ سلیم پر بھی بار ہے کجا کہ اسے شریعت محمدیہ کی طرف منسوب کیا جائے"۔ مودودی صاحب نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ اگر نکاح ممکن نہ ہو تو پھر متعہ کی اجازت ہے۔ یعنی قرآن جس شکل کے لئے واضح الفاظ میں ضبطِ نفس کی تاکید کرتا ہے۔ مودودی صاحب عین اسی شکل کے لئے متعہ کا جواز پیش کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کی اضطراری حالت کے لئے متعہ کی اجازت ہے تو قرآن نے جو تحفظِ عصمت و عفت پر اس قدر زور دیا ہے تو وہ کن لوگوں کے لئے ہے۔ اگر آپ بہ تحقیق دیکھیں تو جرم زنا کے ارتکاب میں نوے فیصدی سے بھی زیادہ واقعات ایسے ہوں گے جن میں مرد یا عورت نے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھنے کی وجہ سے اس زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر بھوک کی طرح ان شکلوں کو اضطراری شکل قرار دیا جائے اور بالغ مرد و عورت باہمی رضامندی سے "عارضی نکاح" کرکے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کر لیں۔ تو مودودی صاحب کے نزدیک یہ چیز زنا نہیں ہوگی۔ یعنی موجودہ زنا اور مودودی صاحب کے تصور کے اسلام میں اس قسم کے جنسی تعلق میں فرق یہ ہوگا کہ لوگ آج زنا کے ارتکاب کے بعد شرمندہ و نادم ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت یہ فعل کسی ندامت کا موجب نہ ہوگا۔ اور وہ کھلے بندوں اس کا اعتراف کریں گے کہ انھوں نے "عارضی نکاح" کے ذریعہ آپس میں مباشرت کی تھی۔ اس پر نہ یہ خود محجوب ہوں گے نہ ان کے رشتہ دار مشتعل۔ اور نہ ہی سوسائٹی معترض۔ دنیا اس اسلام کو دیکھے گی۔ اور اس اعتراف پر مجبور ہوگی کہ یہ فی الواقع بے مثل و بے نظیر دین ہے۔

ہم سینہ پر پتھر رکھ کر اس جگر پاش داستانِ خونچکاں کو ختم کرتے ہیں۔ ورنہ جی تو بہت کچھ کہنے کو چاہتا تھا۔

مقام حدیث

حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب

دو جلدوں میں

قیمت فی جلد :- چار روپے

الفاروق

(از: علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ العالی)

(اُردو سوانح عمریاں" کے عنوان سے آل انڈیا ریڈیو نے ایک سلسلۂ تقاریر شروع کیا ہے۔ جس کی پہلی تقریر علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف "الفاروق" پر مولانا اسلم جیراجپوری نے نشر فرمائی ہے۔ ہم اس تقریر کو آل انڈیا ریڈیو کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔)

"الفاروق" مصنفہ مولانا شبلی مرحوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ ہے جو متوسط تقطیع پر پانسو سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ میں تنقید اور مقدمہ کے بعد (یہ روایت اور سیرت نگاری سے متعلق ہے) حضرت عمر فاروق رضی کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور حالات اور ان کی فتوحات کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں ان کے ملکی اور فوجی انتظامات علمی کمالات اور ذاتی اخلاق و عادات کی تفصیل ہے۔

یہ کتاب آج سے تقریباً ساٹھ برس پہلے لکھی گئی مولانا شبلی نے نامورانِ اسلام کی سوانح عمریوں کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی پہلی کڑی "سیرۃ النعمان" تھی۔ جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے "المامون" لکھی۔ اس کے دیباچہ میں الفاروق لکھنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے نام کی شہرت اس کی اشاعت سے پہلے ہی ہو چکی تھی "المامون" کے بعد حسب وعدہ مولانا شبلی نے "الفاروق" لکھنی شروع کر دی۔ مگر دو وجہوں سے کچھ دنوں کے لئے اس کو ملتوی کر دینا پڑا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ تاریخ اسلام کی بعض اہم کتابیں جو اس کے لئے ضروری تھیں اب تک یورپ میں چھپ رہی تھیں مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور طبقات ابن سعد وہ بھی تک پوری چھپ کر نہیں آ سکی تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مولانا شبلی علی گڈھ کالج میں پروفیسر تھے جو مختلف العقائد مسلمانوں کا سنگم تھا۔ اس لئے سر سید احمد خاں نہیں چاہتے تھے کہ الفاروق وہاں سے شائع ہو کیونکہ اس سے خطرہ تھا کہ کالج کے ہمدردوں میں سنی اور شیعہ کی تفریق نہ پیدا کر دے۔ لیکن مولانا شبلی نے اس کے لکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ چونکہ ان کی تصنیفات سلسلۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں منظور ہو چکی تھیں۔ اس لئے سر سید نے ازراہ مصلحت بینی نواب سید حسین بلگرامی کو جو سلسلۂ آصفیہ کے صدر اور شعبہ میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے مولانا شبلی کے اس ارادہ کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ میں ان کو روک رہا ہوں۔ نواب صاحب موصوف نے جواب میں لکھا کہ "اسلام نے ایک فاروق پیدا کیا ہے حیف ہے اس کی سوانح عمری نہ لکھی جائے مولوی شبلی کو اسے لکھنے سے نہ روکئے"۔ اس جواب سے سر سید کے دل میں جو خطرہ تھا وہ جاتا رہا۔ انھوں نے یہ خط مولانا شبلی کے حوالے کر دیا اب مولانا شبلی نے اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ الفاروق لکھنے کی طرف توجہ فرمائی۔

چونکہ الفاروق کی اشاعت سے پہلے ہی اس کے نام کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اس لئے بعض لوگوں نے سوچا کہ مسلمانوں کی اس عام توجہ سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ راولپنڈی کے ایک بیرسٹر منشی سراج الدین احمد خاں صاحب نے جو سر سید کے حلقہ کے آدمی تھے سیرۃ الفاروق کے نام سے ایک کتاب لکھ کر بازار میں پیش کر دی۔ الفاروق کے مشتاقوں کو اس سے کوفت ہوئی۔ اور انھوں نے اس کو منشی صاحب موصوف کی بدنیتی پر محمول کیا۔ خود سر سید احمد خاں نے لکھا کہ جب ایک ایسے شخص یعنی مولانا شبلی نے جو کہ بحیثیت علم اور کیا بنظر طریقہ ترتیب مضامین یادگار سلف ہے۔ الفاروق لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور بہت کچھ اس کا سامان جمع کیا تھا۔ جس کا جمع کرنا نہ آسان کام ہے اور نہ ہر ایک شخص کا کام ہے۔ اور ہنوز بہت کچھ کرنا باقی ہے تو ہمارے دوست منشی سراج الدین احمد صاحب کو بلاشبہ مناسب تھا کہ اس مضمون پر کتاب لکھ ڈالنے بلکہ اس رحمت کے منتظر رہتے جو خدا کو مولوی شبلی کے ہاتھ سے ملک کو پہنچانی تھی۔ سر سید کی اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا شبلی کو الفاروق لکھنے سے جو وہ روکتے تھے۔ اس کی وجہ محض کالج کی مصلحت تھی ورنہ وہ دل سے ان کی تصنیفات کے قدردان تھے۔

مولانا شبلی الفاروق لکھنے سے پہلے سیرۃ النعمان اور المامون لکھ چکے تھے۔ اور ان کے لئے ہندوستان کے تمام مشہور اور بڑے بڑے کتب خانے چھان ڈالے تھے۔ جب الفاروق لکھنے بیٹھے تو دیکھا کہ اس کتاب کے علمی تقاضے ان ہندوستانی کتب خانوں سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ممالک اسلامیہ۔ شام و مصر اور ٹرکی کا سفر کیا۔ ان مقامات کے کتب خانوں کو کھنگالا اور بہت سی نایاب اور نادر قلمی کتابوں سے جو ابھی تک چھاپی نہیں گئی ہیں۔ نہایت اہم اور مفید مواد الفاروق کے لئے حاصل کیا۔ اور چار پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ کتاب مرتب کی۔ اور منشی رحمت اللہ رعد کے مطبع میں جو اس وقت اودھ کا بہترین چھاپہ خانہ تھا۔ طبع کرا کے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا۔

یہ کتاب آج سے تقریباً ۵۳ سال پہلے ۱۹۰۲ء میں پہلی بار میرے مطالعہ میں آئی۔ میں اس وقت درس نظامیہ ختم کر چکا تھا۔ اور میرا علمی ذوق وہی تھا جو مولانا شبلی کا تھا۔ یعنی مذہبی تاریخی اور ادبی۔ الفاروق اس وقت نہ صرف یہ کہ میرے ذوق کی چیز لگی بلکہ ایک حیران کن بے نظیر تاریخی اور علمی کتاب نظر آئی۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کتاب کا کس قدر عظیم الشان اثر میرے دل و دماغ پر پڑا۔ اور میرے علمی ذوق کو کیا واضح اور کھلا ہوا راستہ نظر آ گیا۔

الفاروق جس موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی کی سوانح عمری اس موضوع پر اس سے زیادہ معتمد معلومات جو اس میں فراہم کی گئی ہیں۔ میرے خیال میں جمع کرنا نہ صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ مولانا شبلی نے جو باتیں اس میں درج کی ہیں روایتاً اور درایتاً ان کو پرکھا ہے۔ کمزور روایتوں سے اجتناب کیا ہے۔ متعدد کتابیں جو شروع سے مقبول چلی آتی ہیں۔ مثلاً ریاض النضرہ۔ تاریخ ابن عساکر "کنز العمال" اور حلیۃ الاولیاء وغیرہ ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی بیشتر روایتیں غیر معتبر اور محض عوام کی گرمی محفل کے لئے ہیں۔ اگر کہیں ان میں سے کوئی بات لی ہے۔ تو اس وقت جب کہ دوسری معتبر کتابوں سے اس کی سند ملی ہے۔ عہد فاروقی کے بعض واقعات جو غلط طریقے سے سمجھے گئے ہیں۔ مولانا شبلی نے دلائل کے ساتھ ان کو صحیح طور پر سمجھایا ہے۔ مثلاً مورخ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ مولانا نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ اور تاریخ طبری کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی کا حکم صرف یہ تھا کہ بنی تغلب میں سے جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان کے بچوں کو زبردستی بپتسمہ نہ دیا جائے۔ اسی طرح بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی نے تحقیر اور تذلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور کیا تھا۔ مولانا نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ امتیاز کے لئے عیسائیوں کو ایک لباس کی ہدایت کی گئی تھی۔ تحقیر و تذلیل کا خیال محض راوی کا قیاس ہے۔ غرض متعدد تاریخی غلطیاں ہیں۔ جن کا ازالہ پختہ دلیلوں سے کیا ہے۔ اسی طرح فدک، قرطاس اور سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات پر مفصل بحثیں کی ہیں جو عالمانہ اور دلنشیں اور بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرتی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ جس میں حضرت عمر رضی کے ملکی انتظامات فوجی مہمات اور علمی اجتہادات وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ اس قدر محققانہ ہے۔ جس نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دلوں پر مولانا شبلی کی تاریخ دانی اور علمی کمال کا سکہ بٹھا دیا۔ ممکن ہے کہ ان بحثوں میں سے کسی کسی میں اعتراضات کی گنجائش نکل سکے مگر کون سا انسانی کارنامہ ہے جس کو مطلقاً بے عیب کہا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی کا طرز تحریر عالمانہ ہے۔ عالمانہ سے میری مراد یہ ہے کہ ہر ہر فقرہ ہر ہر لفظ کو جو وہ لکھتے ہیں پہلے سوچتے ہیں تولتے ہیں۔ پھر مناسب اور موزوں بلکہ دلکش ادبی انداز میں مرتب کرتے ہیں۔ نہ صرف الفاظ کی ہم آہنگی بلکہ ان کی ترکیب میں بھی ادبی ذوق ملحوظ رکھتے ہیں۔ معانی اور مطالب کے ساتھ جملوں اور لفظوں کا تطابق دیکھتے ہیں اور کم سے کم اور بہتر سے بہتر الفاظ سے اپنا مقصد ادا کرتے ہیں۔ الفاظ فصیح۔ بندش چست عبارت دلکش اور تکلف و بناوٹ سے خالی۔ انھوں نے خود اس کتاب کے مقدمہ میں تاریخ کے طرز تحریر پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ تاریخ اور انشاء پردازی کی

عدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے۔ وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا کام یہ ہے کہ کسی حصۂ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی سے اس کی شکل۔ سمت واطراف اور اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا۔ یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا۔ جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہے۔ اور جن سے انسان کی قوت متخیلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم وسہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کرے گا لیکن انشاپرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی وبیکسی اور رستم کی ندامت وحسرت کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے اور واقعہ کی دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرے۔"

یہ جو کچھ طرز تحریر کے متعلق مولانا شبلی نے لکھا ہے خود سر مو اس سے تجاوز نہیں کیا ہے۔ دراصل تاریخ نویسی کے متعلق یہ اصول ان کا اپنا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے قدیم مورخوں نے جو تاریخیں لکھی ہیں۔ مثلاً ابن قتیبہ کی "معارف" بلاذری کی "فتوح البلدان" دینوری کی "اخبار الطوال" اور یعقوبی کی تاریخ وغیرہ سب اسی اصول کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ تاریخ ابن جریر طبری جو اسلام کی سب سے بسیط تاریخ ہے۔ اور "ام التواریخ" کہی جاسکتی ہے۔ اس کی تیرہ جلدوں کو آپ پڑھ جایئے کہیں کوئی استعارہ یا تشبیہ نہیں پائیں گے۔ کیونکہ ان چیزوں سے واقعہ میں رنگ آمیزی ہو جاتی ہے اور اس کی اصلی تصویر سامنے نہیں آتی۔ مثلاً ایک سپاہی میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ مورخ صرف یہی کہے گا کہ مبارز طلبی کے لئے صف سے آگے بڑھا۔ انشاپرداز یا شاعر کہے گا کہ شیر کی طرح آگے بڑھا۔ یہاں یہی نہیں کہ واقعہ میں رنگ آمیزی ہوئی۔ بلکہ بیان کرنے والے کا جذبۂ پسندیدگی اور مدح بھی نمایاں ہوگیا۔ جو تاریخ نویسی میں ہرگز جائز نہیں رکھا جاسکتا۔

مولانا شبلی نے اردو تحریر کی جو روش رکھی آج تمام اہل علم اسی پر چل رہے ہیں۔ ان کا استعمال کیا ہوا آج تک کوئی لفظ نہ نامانوس ہوا ہے۔ نہ متروک۔ انہوں نے تحریر اور تقریر میں مطابقت اور یکسانی پیدا کی۔ جس نے طبائع میں عام مقبولیت حاصل کرلی۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مولانا نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ مورخ کو بے تعصب ہونا لازم ہے چنانچہ ان کی یہ کتاب باوجود معرکۃ الآرا اختلافی مسائل پر حاوی ہونے کے شروع سے آخر تک محققانہ ہے۔ اور انہوں نے کہیں اپنے قلم کو تعصب سے آلودہ نہیں ہونے دیا ہے

ان تمام خوبیوں کے ساتھ مولانا شبلی نے اس کتاب کے لئے جو کثیر مواد فراہم کیا ہے۔ اس کو اس خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے کہ اتنی بڑی کتاب ہونے کے باوجود واقعات کا تکرار بہت کم ہوا ہے۔ ایک ہی بات کو بار بار لکھنا خواہ وہ مختلف تقاضوں کی بنا پر کیوں نہ ہو۔ کسی اچھے اہل قلم کے لئے پسندیدہ امر نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے اس عیب سے کافی احتیاط برتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاروق کیا بلحاظ انداز بیان اور کیا بلحاظ معلومات اعلیٰ پایہ کی مورخانہ کتاب ہے۔ قدیم زمانہ سے آج تک حضرت عمرؓ کے حالات میں جو کتابیں خود عربی میں لکھی گئی ہیں۔ ان سب سے اس کا درجہ بلند ہے

اردو زبان میں آج تک جتنی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے جو قابل مطالعہ ہیں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ میں بلا تامل یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اس زبان میں آج تک ایک سوانح عمری الفاروق کے رتبہ کی نہیں لکھی گئی۔ خود مولانا شبلی کی لکھی ہوئی "سیرۃ النعمان" "المامون" اور "الغزالی" وغیرہ اگرچہ اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہیں۔ مگر الفاروق ان سب سے بلند پایہ ہے۔ بعض اہل علم نے میرے سامنے یہ رائے ظاہر کی کہ سیرۃ النبی کی پہلی دو جلدیں جو مولانا شبلی کے قلم سے نکلی ہیں۔ ان کی سب سے بہتر تصنیف ہیں۔ مگر میرے نزدیک ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے پرانے طریقہ کے مطابق اپنی سیرۃ النبی کا زیادہ تر مدار روایات پر رکھا ہے۔ اور اس میں قرآن سے جس قدر کام لینا چاہیئے تھا۔ وہ نہیں لے سکے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تاریخی سے زیادہ دینی ہے۔ وہ اسی وقت صحیح اور مفید ہوسکتی ہے جب قرآن سے لکھی جائے یہ کام شروع بھی ہوچکا ہے۔ اور یہی زمانہ کا تقاضا ہے۔ روایاتی سیرتیں تو اپنی زندگی کے آخری دن پورے کر رہی ہیں۔ الغرض میرے نزدیک مولانا شبلی کا بڑا شاہکار یہی الفاروق ہے۔ اس کا نہایت سلیس فارسی میں نادر شاہ بادشاہ کابل کی ہمشیرہ نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۵۱ھ میں لاہور سے شائع ہوچکا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں اخبار زمیندار لاہور کے ایڈیٹر نے اس کے پہلے حصہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

آخر میں یہ لطیفہ بھی یہاں بے موقع نہ ہوگا کہ مولانا شبلی جب ندوہ کے تعلق سے لکھنؤ میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ ان کے ملنے والوں میں سے چند شیعہ اہل علم ان کے پاس آئے اور خواہش ظاہر کی کہ جس طرح آپ نے "الفاروق" لکھی ہے اسی طرح "المرتضیٰ" بھی لکھ ڈالئے۔ مولانا شبلی نے کہا کہ ارادہ تو رکھتا ہوں مگر ایک پاؤں آگے اٹھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے۔[1]

اس محفل میں شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم ندوہ جو ظریف الطبع تھے موجود تھے۔ انہوں نے گردن اٹھائی اور ذرا جھک کر مولانا شبلی کی طرف دیکھا اور بیٹھ گئے۔

مولانا شبلی نے پوچھا کیا دیکھتے ہو؟

بولے کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ کا کون سا پاؤں کٹا گیا ہے آگے بڑھنے والا یا پیچھے ہٹنے والا۔

---

[1] ایک حادثہ میں علامہ شبلی مرحوم کا ایک پاؤں زخمی ہوگیا تھا اور اسے بعد میں کاٹنا پڑا تھا۔ (طلوع اسلام)

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے تقریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط حسین جلد مع گردپوش قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۷۲ صفحات ——— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر ونظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روز مرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل ومعاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اٹھائیس صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات میں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۷۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

باب المراسلات

تلخ حقیقتیں

لاہور سے ایک دوست جن کا قلب حزیں پاکستان کی محبت اور مسلمان کے درد سے لبریز ہے۔ اپنے تجربات کی بنا پر چند تلخ حقیقتیں بیان کرتے ہیں۔ جنہیں ہم اس لئے شائع کر رہے ہیں کہ

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

"آپ تعجب تو نہ کرتے ہوں گے کہ یہاں ہنوز لا مکان ہوں۔ دیگر ضروریات زندگی کی طرح اس کی تقسیم بھی غلط ہے۔ یہاں کے حالات یہ ہیں کہ آٹھ کمروں کا مکان ہے لیکن دو آدمی رہتے ہیں۔ لوگوں نے اپنے ذاتی مکان کرائے پر دے رکھے ہیں اور خود مہاجرین کے متروکہ مکان پر قابض ہیں۔ بعض ذی اثر حضرات کے پاس تو تین تین مکان ہیں۔ ایک مکان پرانے شہر میں۔ ایک فلیٹ جدید آبادی میں۔ ایک وسیع بنگلہ مضافات میں۔ کرایہ پر مکان اس لئے نہیں ملتے کہ سال بھر کا پیشگی کرایہ کون دے۔ ایک یونٹ کے سلسلہ میں حکومت نے بہت سے مکان روک رکھے ہیں۔ خدا اور قیصر کی تفریق کی طرح مرکز اور صوبائی ملازمین کی تفریق نے اس رعایت سے بھی محروم رکھا ہے۔ محترم وزیر اعظم نے ملازمین کو کارگذار اور دیانت دار رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ دیانت داری تو چھوڑیئے محترم موصوف نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ آخر وہ کیا محرکات ہیں جن سے ملازم کارگذار بنتا ہے۔ دوا دکی دوڑ دھوپ۔ سفارشیں اور صدر معظم صاحبان کی خوشامد کے بعد (جس میں میری خودداری اور سرکاری غیرت احتجاج کرتی ہے) دو بچوں کو بمشکل اسکول میں داخلہ ملا۔ تیسرے کا مقدمہ ہنوز زیر غور ہے۔ حال میں کراچی کے گرامر اسکول کا جو قضیہ اٹھا ہے۔ اس پر قوم یا حکومت کو ڈوب مرنا چاہیئے۔ ہائے یہ مسلمان اور دلائے یہ نام نہاد اسلامی حکومت کا شور و غوغا۔ جس قوم کے نونہالوں کی تعلیم کا انحصار حکومت کی بے غیرتی اور بے حسی پر ہو۔ اس کا انجام معلوم۔ یہ تلخ نوائی معاف۔ دل کا خون آنکھ میں کھنچ آئے تو کیا اس کا علاج؟

کراچی سے لے کر لاہور تک ایک انسانیت سوز ذہنیت کارفرما ہے۔ ظلم، تاخیر، بددیانتی روزمرہ کا معمول ہے۔ پولیس کا سپاہی ہو یا آبکاری کا ناظم۔ دفتر کا چپراسی ہو یا ضلع کا افسر ہر ایک انسانوں کے ساتھ معاملات میں خائن ہے۔ خدا کا ڈر تو خیر بڑی بات ہے۔ اسے اس دنیا میں بھی کسی عاقبت کا ڈر نہیں۔ وہ علی الرغم ظلم کرتا ہے۔ علانیہ بے ایمانی کر کے بزعم خود بکف چراغ دارد کا مصداق بنا بیٹھا ہے۔ ان حالات میں اور اس سرزمین میں جہاں دیانت قابل مواخذہ ہو اور انسان گردن زدنی۔ قانون خداوندی کی حفاظت کے بغیر ایک یونٹ کے تصور سے میری روح کانپتی ہے۔ سچ پوچھئے تو سارا پاکستان کیا بلکہ ساری دنیا ہی ایک یونٹ ہونی چاہیئے لیکن اچھی سے اچھی تجویز بھی اگر عاملین نا اہل اور خود غرض ہوں تو عذاب بن جاتی ہے۔ حکام کے طرزِ عمل اور عام ذہنیت کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تعمیری پروگرام مزید تخریب کا پیش خیمہ بن جائے۔

اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کہ اس تحریک کے کرتا دھرتا "ولقد کرمنا بنی آدم" کی تفسیر سے واقف کرائے جائیں انسرولں کے دروازوں سے پردے اُٹھ لئے جائیں اور انہیں بتلایا جائے کہ ان کا عہدہ خدا کی امانت ہے۔ جسے وہ انسان کی بھلائی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان حضرات سے کہنا چاہیئے کہ یہ اپنے ارادوں کا جائزہ لیں۔ اور جو ہوس اقتدار ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے اسے کچل ڈالیں۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا خیال ترک کر دیں۔ اور ان الحکم للہ میں جو راز ہے اسے سمجھ لیں تو صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ کیا مسلم لیگ اور دیگر سلطنتوں، جماعتوں کی موت کے اسباب ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں؟ دور کیوں جایئے اگر مشرقی بنگال میں مسلم لیگ عوام سے رابطہ قائم رکھتی۔ اور عوام کی بھلائی کے لئے حکومت کرتی تو جو خطرہ آج ہمارے سامنے ہے۔ وہ نہ ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ اور حکام کا زاویہ نظر نہ بدلا تو اس مغربی پاکستان میں ایک ایسا طوفان آئے گا۔ جس کی زد سے بچنا محال ہوگا۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں اور آپ کی صحت آپ کے عزائم کی رفیق ہو سکے۔ میری دعائیں تو آپ کے لئے طویل زندگی مانگتی ہیں کہ کم از کم آپ اپنے حسنات کی دنیا تعمیر ہوتے تو دیکھ لیں۔ اس آرزو میں خود غرضی کی ملاوٹ بھی ہے۔ ایک حسرت کہ آپ کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھ لیتا۔ کچھ خدمت کر سکتا۔ لیکن اس غلط معاشرے میں اور کونسی امیدیں پوری ہوئی ہیں جو یہ پوری ہوں گی؟"

طلوعِ اسلام

سلم ستی! سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لا یخلف المیعاد دار

شرعی سزائیں

محترم شیخ ابوبکر صاحب نے کراچی سے انگریزی میں ایک خط لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ آجکل کراچی میں سرقہ اور جیب تراشی کی وارداتیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ حتیٰ کہ اب بیرونی ممالک کے مسافر نماز ادا کرتے وقت بھی جیب تراشوں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ اس کے لئے تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ قرآن نے چوری کی جو سزا ہاتھ کاٹنا تجویز کی ہے۔ اگر یہاں دو ایک کو بھی یہ سزا دیدی جائے تو یہ جرائم فوراً ناپید ہو جائیں گے۔ اس کے بعد شیخ صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ طلوعِ اسلام نے بھی اپنی کتاب "قرآنی فیصلے" میں یہ لکھا ہے کہ قرآن نے جو سزائیں

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناسِ رسول — یہ کون بتلائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۸ صفحات ــــــــ قیمت چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ــــــــ چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ شانِ ادب، اور طرزِ نگارش ہے۔ آمد و لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۵۰۴ صفحات ــــــــ قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراجپوری) علمی موضوعات پر مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ــــــــ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو قرآنی آئینہ میں۔ قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے
قیمت (قسم اول) ــــــــ چھ روپے
" (قسم دوم) مجلد ــــــــ چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔
ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ــــــــ قیمت دو روپے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ ـــ ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۴۳ کراچی

مقرر کی ہیں۔ وہ انتہائی سزائیں ہیں۔ اور حکومت یا عدالتیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ان میں تخفیف بھی کر سکتی ہیں۔

محترم مستفسر کو اس بارے میں طلوع اسلام سے اختلاف ہے اور انہوں نے طلوع اسلام سے دو سوال براہ راست کئے ہیں۔ یعنی

(۱) کیا آپ کے خیال میں چور کی سزا (قطع ید) وحشیانہ سزا ہے جس کی آج کی مہذب دنیا میں کوئی ضرورت نہیں؟

(۲) اگر اس سزا کو آج کراچی میں جاری کر دیا جائے تو کیا آپ کے خیال میں یہ ایسے ہی اچھے نتائج پیدا نہیں کرے گی جیسے اس نے سعودی عرب میں کئے ہیں؟

طلوع اسلام | صرف چند ایک جرائم ایسے ہیں جن کی سزا خود قرآن نے متعین کر دی ہے۔

(۱) جرم قتل کی سزا جس کے لئے کہا گیا کہ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَىٰ

یعنی قتل کی سزا موت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ (۲/۱۷۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کی رضامندی سے سزائے موت کے بجائے دیت بھی دی جا سکتی ہے۔

(۲) حکومت کے خلاف بغاوت۔ اور فساد فی الارض کی سزا۔ جس میں سزائے موت۔ تصلیب۔ ہاتھ پاؤں کا الٹا کاٹنا قید یا جلاوطنی شامل ہے

ان سزاؤں کے بعد قرآن میں ہے

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ (۵/۳۴)

یعنی اگر یہ لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر غلبہ پا لو خود ہی تائب ہو جائیں تو پھر انہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کے خلاف جنگ اور فساد فی الارض بڑی وسیع المعنی اصطلاحات ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی حکومت ایک قانون بنائے۔ اور ایک شخص یہ کہے کہ میں اس قانون کو قانون ہی نہیں مانتا۔ تو یہ چیز بھی حکومت کے خلاف جنگ میں شامل ہو جائے گی۔ اور فساد فی الارض میں ہر وہ چھوٹی اور بڑی بات شامل ہو گی۔ جس سے معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

(۳) چوری کی سزا۔ اس کے لئے کہا کہ

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

یعنی چور مرد اور چور عورت کی سزا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ قطع ید کے معنی ہیں ایسے حالات پیدا کر دینا۔ جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رک جائیں۔ بہرحال دونوں میں سے کوئی بھی مطلب ہو۔ اس سزا کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ (۵/۳۹)

جو شخص اس قانون شکنی کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔

(۴) زنا کی سزا سو تازیانے (۲۴/۲)

اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اسی تازیانے (۲۴/۴)

یہ تو (۴) سزاؤں کا تعین۔ لیکن قرآن نے اس کے ساتھ ہی ایک چیز کو بطور اصول بیان کیا ہے کہ

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا (۴۲/۴۰)

ہر سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہئے۔ اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن نے جن سزاؤں کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان جرائم کی انتہائی شکلوں کی سزائیں ہیں۔ اسلامی نظام یا عدالت کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ حالات کے تقاضے کے اعتبار سے جرم کی نوعیت کو متعین کرے۔ اور اس کے مطابق سزا میں تخفیف کرے۔ اس حقیقت پر ایک اور چیز بھی دلالت کرتی ہے۔ قرآن میں بغاوت یا فساد فی الارض کی سزائیں، قتل، صلیب۔ الٹے ہاتھ پاؤں کو کاٹنا (یا بعض لوگوں کے نزدیک الٹے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں یا بیڑیاں ڈالنا) یا قید یا جلاوطنی تک بتائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے متعین ہوں گی۔ لیکن اس نے چوری کی سزا قطع ید تجویز کی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بغاوت یا فساد فی الارض کے جرائم چوری کے جرم سے زیادہ سنگین ہیں۔ لہٰذا اگر ان سنگین تر جرائم کی پاداش میں بعض حالات میں صرف قید کو کافی سمجھا جا سکتا ہے تو جرم کی نوعیت کے اعتبار سے چور کی سزا بھی قید تجویز کی جا سکتی ہے۔

یہاں تک ہم نے قرآنی سزاؤں کے متعلق صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب ہم ان سوالوں کی طرف آتے ہیں جو ہم سے براہ راست کئے گئے ہیں۔ قرآن نے جو سزائیں بھی تجویز کی ہیں۔ ان میں کسی قسم کی بربریت اور وحشیانہ پن نہیں۔ جس کی بنا پر ہم انہیں آج کی مہذب دنیا میں پیش کرنے سے شرمائیں۔ مہذب انسانوں سے تہذیب کا سلوک کیا جاتا ہے۔ لیکن جب کسی معاشرہ میں وحشیانہ پن عام ہو جائے تو اس میں جرم کی سزائیں سخت سے سخت دینی چاہئیں۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان میں اس وقت جرائم کی جو کثرت ہو چکی ہے اور کثرت ہی نہیں بلکہ جرائم کو اب جرائم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یہ درحقیقت حکومت کے خلاف بغاوت ہے جو لوگوں کے ذہن میں قانون کا احترام ہی نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے پچھلے دنوں یہ لکھا تھا کہ اگر حکومت کسی ایک رشوت خور افسر کو پھانسی کی سزا دے اور اس کی جائداد ضبط کر لے تو دیکھئے رشوت ستانی کس طرح بند ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس وقت پاکستانی معاشرہ کا علاج مارشل لا کے سوا کچھ نہیں۔ مارشل لا میں مختلف جرائم کو الگ الگ تصور نہیں کیا جاتا۔ اس میں ہر قانون شکنی کو حکومت کے خلاف بغاوت شمار کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت پاکستان میں ہر جرم کی سزا پھانسی ہونی چاہیئے۔ اور اس کی ابتدا ان بڑے بڑے لوگوں سے کرنی چاہیئے جو ایک معنوں میں عادی جرائم پیشہ ہو چکے ہیں۔ لیکن انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں رشوت جرم ہے۔ لیکن اخبارات میں جو واقعات درج ہوتے ہیں۔ وہ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ فلاں چپراسی کو دو روپے لیتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ اور فلاں چنگی کے محرر کو دس روپے کی رشوت لینے پر سزا مل گئی۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ ہزاروں اور لاکھوں کی رشوتیں کن بلندیوں پر عام ہو رہی ہیں۔ اسی طرح بلیک مارکیٹنگ ہمارے ہاں جرم ہے۔ لیکن اخبارات میں اس قسم کی خبریں چھپتی ہیں کہ فلاں برف فروش کو گرفتار کر لیا گیا کیونکہ وہ برف دو آنے سیر کے بجائے اڑھائی آنے سیر فروخت کر رہا تھا۔ یا فلاں سوئیاں بیچنے والے کو پکڑ لیا گیا۔ کیونکہ وہ دو دو پیسے کے بجائے ایک ایک آنہ میں سوئی بیچ رہا تھا۔ لیکن جہاں سو روپے کی چیز پانچ سو روپے میں بکتی ہے۔ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ ہندوستان کی حکومت نے ایک طرف آئی۔ سی۔ ایس کے ایک اعلیٰ افسر کو جو مرکزی حکومت کے سکریٹری کے عہدے پر فائز تھا اور دوسری طرف سیٹھ ڈالمیا جیسے امیر کبیر تاجر اور صنعتکار کو گرفتار کر کے ملک میں دھاک بٹھا دی ہے۔ لہٰذا پاکستان میں آج ضرورت اس امر کی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کی سزا بھی سخت سے سخت دی جائے اور اس میں چھوٹے اور بڑے میں کوئی فرق نہ رکھا جائے۔ یہ تجاویز ہم نے محض ہنگامی حالات کے پیش نظر کی ہیں ورنہ معاشرہ کی صحیح اصلاح تو نظام ربوبیت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ جب معاشرہ میں یہ صورت ہو گی کہ ہر فرد کو حق حاصل ہو کہ وہ جتنی بھی چاہے جائداد بنا لے اور جتنا بھی چاہے روپیہ اکٹھا کر لے معاشرہ کی صحیح اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب تک وہ نظام قائم نہ ہو اس وقت تک ہمارے معاشرہ کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت کے پیش نظر جرائم کی سزائیں بہت سخت دینی چاہئیں۔

(تعلیم اور تربیت کے ذریعے جرم آلود ذہنیتوں کی اصلاح ایک الگ موضوع ہے جسے قرآن خاص طور پر زور دیتا ہے۔ لیکن یہ چیز ہمارے پیش نظر موضوع سے سردست خارج ہے۔ اس کے متعلق ہم کبھی تفصیل سے لکھیں گے)

اسلامی نظریۂ اجتماع

(حیدر زمان صدیقی)

موجودہ بے چینیوں اور ساری دنیا پر حاوی فسادات کا اصل سبب یہی ہے کہ خدا کی بجائے وطن کو معبود بنا لیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے تمام انسانی دماغوں کی اصلاح کی جائے جن میں وطن پرستی، نسل پرستی، رنگ پرستی، غرض خدا پرستی کے سوا سب کچھ بھرا ہوا ہے۔ جب تک یہ سڑا ہوا اور متعفن مادہ خارج نہیں کیا جائے گا موجودہ بے چینی کا سد باب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بنیادی اور وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ قرآنی نظریۂ اجتماع و سیاست ہی انسانیت کی پیشانی عظمت و جلال کو اصنام نسل و وطن کے آگے جھکنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت:- دو روپیہ بارہ آنے

عالمگیر اسلامی تصورات

مصنفہ:- ڈاغلول　　مترجمہ عبدالوہاب

اسلام ایک عالمگیر اخوت کا پیام دیتا ہے جو سارے جہان، سارے زمانے اور ساری انسانی آبادی کے لئے ہے اور دنیا کی موجودہ بے چینی کا علاج اور سسکتی ہوئی انسانیت کی نجات صرف تعلیمات اسلام میں ہے۔ یہ کتاب ہمارے نوجوانوں کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے تاکہ ہم اپنے مذہب اور اس کے فلسفے سے صحیح طور پر آگاہ ہو جائیں۔ مجلد رنگین گرد پوش قیمت تین روپیہ چار آنہ

نفیس اکیڈیمی۔ بلاسس سٹریٹ۔ کراچی

عالمِ اسلامی

مراکش میں اس حد تک تو بات آگے بڑھی ہے کہ سلطان ابن عرفہ جسے فرانس نے دو سال پہلے وطن پرست سلطان ابن یوسف کی بجائے گدی نشین کر دیا تھا۔ تخت سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ لیکن وہ جاتے جاتے سلطانی مہریں اپنے ایک عزیز کے حوالے کر گیا ہے۔ اس سے پیچیدگی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ تجویز تو یہ تھی کہ اسے تخت سے ہٹا کر ایک ریجنسی کونسل قائم کی جائے۔ اور اس کے ساتھ قومی حکومت مرتب کی جائے۔ جو اصلاحات کا معاملہ طے کرے۔ فرانس کے حکومتی حلقوں میں ابن عرفہ کی اس دست برداری کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ عملاً دست برداری ثابت ہو گی۔ یا اس سے مراکش کے ڈرامے میں ایک اور کردار کا اضافہ ہو جائے گا۔ بعض فرانسیسی حلقوں میں کہا جا رہا ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ اس کے باوجود ریجنسی کونسل قائم کی جا سکتی ہے۔ ادھر یہ ہو رہا ہے ادھر فرانس نے بربر قبائل کے خلاف فوجی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ وہ ان ہنگاموں کے لئے الجیریا کو الزام دے رہا ہے۔ جہاں تک الجیریا کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ ایشیائی افریقی گروہ نے اقوام متحدہ تک پہنچا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ہدایت کار کمیٹی نے تو الجیریا کو ایجنڈے میں شامل کرنے کی سفارش نہیں کی تھی لیکن جنرل اسمبلی نے ایک ووٹ کی اکثریت سے اس سفارش کو مسترد کر دیا ہے۔ گویا اب الجیریا جنرل اسمبلی میں زیر بحث آ سکتا ہے لیکن یہ معاملہ زیر بحث آئے گا یا نہیں۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کوشش شروع ہو گئی ہے کہ کسی طرح اس بحث کو معرض التوا میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ فرانس ناراض نہ ہو۔ فرانس نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جنرل اسمبلی کا مقاطعہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا وفد واپس آ گیا ہے۔ اور اب وہ اقوام متحدہ کی کارروائی میں شریک نہ ہو گا۔ فرانس کا اعتراض یہ ہے کہ الجیریا اس کا خانگی مسئلہ ہے۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ آئینی اعتبار سے الجیریا فرانس کا حصہ ہے۔ اس کا مقبوضہ نہیں۔ از روئے آئین فرانس یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ کیا واقعی الجیریا کا سیاسی درجہ ایسا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں فرانس کا حصہ سمجھ سکتا ہے تو اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ آئینی اعتبار سے الجیریا کا مرتبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو عملاً ایک نو آبادی ہے۔ جہاں تک اہل الجیریا کا تعلق ہے انہوں نے اپنے آپ کو کبھی فرانس کا حصہ نہیں سمجھا۔ اور شروع سے ہی اس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ لہٰذا سوال یہ نہیں کہ فرانس الجیریا کو کیا سمجھتا ہے بلکہ الجیریا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ جب الجیریا جس کے لئے فرانس نے اپنے آئین میں یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسے فرانس کا حصہ سمجھا جائے گا۔ اس درجے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو فرانس یا کسی اور ملک کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ الجیریا کو مجبور کر کے اسے اس درجہ پر قانع بنائے۔

الجیریا کا معاملہ جنرل اسمبلی میں پیش ہو بھی گیا تو یہ توقع عبث ہو گی کہ اقوام متحدہ کی طرف سے اس کا کوئی حل پیش کیا جائے گا۔ اس سے پہلے مراکش کا معاملہ بھی جنرل اسمبلی میں پیش ہو چکا ہے۔ اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا ویسے اقوام متحدہ چاہے تو اپنی نگرانی میں الجیریا کو آزادی دلا سکتی ہے۔ لیکن چھوٹی اور بالخصوص ایشیائی اور مسلم اقوام اتنی متحد اور مضبوط نہیں کہ بڑی قوموں کو مجبور کر کے کوئی خاطر خواہ فیصلے کرا سکیں۔ اقوام متحدہ ایسا نہ کرے تو فرانس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ الجیریا کا مطالبۂ آزادی تسلیم کرے گا۔ حال ہی میں فرانس کے وزیراعظم نے غیر مبہم الفاظ میں کہا ہے کہ وہ الجیریا کو فرانس کا حصہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مطالبہ آزادی کو فوجی قوت سے کچلیں گے۔ فوجی قوت کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں ہند چینی کی مثال دے دینی کافی ہے فرانس وہاں آٹھ سال تک فوجیں جمع کر کے لڑتا رہا لیکن بالآخر اسے شکست کھانا پڑی۔ جو کچھ ہند چینی میں ہو سکتا ہے وہ مغرب اقصیٰ میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان ممالک متحد ہو کر اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لیں۔ تو یہ فیصلہ جنگ کی بجائے میز پر ہو جائے۔

مصر نے روس سے اسلحہ خریدنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس سے بعض عربی ممالک میں ہلچل سی مچ گئی ہے۔ اور سعودی عربیہ اور شام کے متعلق بھی خبریں آ رہی ہیں کہ وہ بھی شاید روس یا روسی حلقہ بگوشوں سے اسلحہ خریدنے کی کوشش کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کی خواہش اور کوشش خوش آئند ہے کیونکہ ان عرب ممالک کے پاس کوئی قابل ذکر منظم اور تربیت یافتہ فوج نہیں۔ یہ غنیمت ہے کہ انہیں اپنی کمزوری کا احساس بھی ہوتا جا رہا ہے اور اسے دور کرنے کی بھی وہ فکر کرنے لگے ہیں لیکن جیسا کہ لمعات میں لکھا جا چکا ہے۔ جب تک متفقہ طور پر ایک لائحہ عمل بنا نہیں لیا جاتا۔ اس کمی کے خاطر خواہ پورا ہونے کی گنجائش کم نظر آتی ہے۔

انڈونیشیا میں آزادی کے بعد پہلے انتخابات ختم ہو گئے ہیں۔ چونکہ ملک چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے اس لئے نتائج تیار ہونے میں دو ماہ لگ جائیں گے۔ لہٰذا اس وقت اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کس پارٹی کا پلہ بھاری رہا۔ ابتدائی اطلاعات سے پتہ چلتا تھا کہ مسجومی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گی۔ یہ پارٹی اسلامی نظام حکومت کی داعی ہے۔ اور مسلمان ممالک کے بلاک کی حامی۔ بلکہ ان کے ایک لیڈر ڈاکٹر روم نے جو وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔ یہاں تک کہا ہے کہ وہ برسر اقتدار آتے ہی مسلمان ممالک کی کانفرنس طلب کریں گے اور مسلمان دولت مشترکہ کی تشکیل کریں گے۔ اب بعض اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ صدر سوئیکارنو کی قائم کردہ نیشنلسٹ پارٹی جیت جائے گی۔ یہ پارٹی "غیر جانبداری" کی قائل اور اپنے آپ کو مسلمان کم اور ایشیائی زیادہ سمجھتی ہے۔ بہرحال نومبر کے آخر میں یا دسمبر کے شروع میں نتائج کا اندازہ لگایا جا سکے گا۔ ان نتائج کی بنا پر مجلس دستور ساز عمل میں آئے گی۔ اس کا اجلاس ۱۵ دسمبر سے شروع ہو گا۔ بہرحال اگر وہاں مسجومی پارٹی برسر اقتدار آ گئی تو جماعت اسلامی کے انداز کا سڑا ہوا مذہب فضا پر چھا جائے گا اور اگر نیشنلسٹ پارٹی کامیاب ہو گئی تو مغرب زدہ ذہنیت کا غلبہ ہو جائے گا۔ اسلام کی سرفرازی نہ اس میں ہو گی نہ اس میں۔ بس پارٹیوں کے اپنے اپنے مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان، ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقے کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبۂ اشتہارات سے حاصل کیجئے
ناظم ادارۂ طلوع اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳ ـــــ کراچی

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنہ ۱۹۴۹ء — اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
سنہ ۱۹۵۱ء — جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
سنہ ۱۹۵۲ء — اگست تا نومبر
سنہ ۱۹۵۳ء — جنوری اکتوبر کے علاوہ سب
سنہ ۱۹۵۴ء — پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔
خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ہے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاہیں وہ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۸/۳۰x۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم)
دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ)
دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی۔۳

انسانی معاشرہ

میں امن و توازن کے قیام کے لئے ضروری ھے کہ مختلف افراد معاشرہ
ایسے اصولوں کی پابندی کریں جو ان کی عقل کے

مفاد پرستانہ تقاضوں

کے ساتھ ساتھ بدلتے نہ رھیں - ایسے اصول وضع کرنا

عقل کے بس کی بات نہیں

نہ یہ اصول انسان کی فطرت کے اندر از خود موجود ھیں

یہ اصول کیا ھیں ؟

اور ان سے امن و توازن والا معاشرہ کیسے متشکل کیا جاسکتا ھے ؟

اس کیلئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

دور حاضر کی عظیم کتاب -

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -
قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ۷ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM